زکاۃ ادا کی ہوئی چیز میں
پھر بھی ہر سال زکاۃ یعنی

مالِ مزکّیٰ میں زکاۃ

ایک تحقیقی جائزہ

مؤلف: شیخ پی ۔ زین العابدین علوی

مترجم : کے۔ محمد ناصر عمری

مون پبلیکیشنس، چنئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

ضابطہ کی خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف
کاپی رائٹ ایکٹ کے مطابق کاروائی کی جائے گی۔

نام کتاب	:	مال مزکی میں زکاۃ (زکاۃ وور آئیوو)
مؤلف	:	شیخ پی۔زین العابدین علوی
مترجم	:	کے۔محمد ناصر عمری
کمپوزنگ	:	چامپین کمپیوٹرایجوکیشن، پرنام بٹ۔
طابع وناشر	:	مون پبلیکیشنس ،چنئی
صفحات	:	64
سن اشاعت	:	مئی 2007ء
تعداد اشاعت	:	2000
قیمت	:	20 روپئے

کتاب ملنے کا پتہ:

Moon Publications,
3, Post Office Road, Mannadi,
Chennai - 600 001. Tamil Nadu.
Phone : 044 55690810

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مالِ مُزَکّٰی میں زکاۃ - ایک تحقیقی جائزہ

فہرست مضامین	شمار صفحہ
1. تمہیدی کلمات	5
2. مترجم کی بات	6
3. زکاۃ نکالی ہوئی چیز میں زکاۃ	7
4. زکاۃ مال کو پاک کرنے کے لئے ہی ہے	13
5. راز کیا ہے؟	16
6. میل کچیل اور تردید	17
7. کیا زکاۃ لوگوں کو پاک صاف کرے گی؟	18
8. وارث کے مال میں زکاۃ	18
ناقابلِ قبول دلائل	
ا. یتیم کے مال میں تجارت کے متعلق حدیث	20
اس کے متعلق دوسری روایت	22
اس کے متعلق تیسری اور چوتھی روایت	24
اس کے متعلق پانچویں روایت	25
اس کے متعلق چھٹی روایت	26
حدیث میں ہر سال کا ذکر نہیں	26
یتیموں پر ظلم	27
2. دو سال کی زکاۃ پیشگی وصول	30
اس کے متعلق دوسری روایت	31

32	تیسری، چوتھی اور پانچویں روایت
33	اس کے متعلق چھٹی روایت
34	اس کے متعلق ساتویں روایت
35	صحیح حدیث کے خلاف
37	کیا وقت سے پہلے زکاۃ لی جا سکتی ہے؟
38	3. ایک سال مکمل ہونے تک زکاۃ فرض نہیں
40	ابوداؤد کی روایت جسے شیخ البانی نے۔۔۔۔
42	4. زکاۃ ہر سال بھی (بیہقی کی روایت)
44	طبرانی صغیر کی روایت
46	ابوداؤد کی روایت
48	5. حضرت ابوبکرؓ کے دورِ خلافت میں
49	6. جانوروں کی زکاۃ
51	7. کیا صحابہ کی اتباع کر سکتے ہیں؟
52	قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
55	صحابہ کرام سے غلطیاں اور لغزشیں
56	۱۔ حج تمتع
57	۲۔ غسل کرنا کب فرض ہے؟
57	۳۔ غسل کے لئے تیمم
58	۴۔ طاعون کی وبا
60	۵۔ اجازت طلب کرنے کا مسئلہ
61	۶۔ محمد ﷺ کی وفات
61	۷۔ اکٹھی تین طلاق
62	۸۔ اور بھی چند۔۔۔۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہیدی کلمات

ریاست تمل ناڈو میں چند سالوں سے یہ چرچا زور پکڑا ہے کہ کیا ایک مرتبہ زکاۃ ادا کی ہوئی چیز میں دوبارہ بلکہ ہر سال زکاۃ نکالنا چاہیے؟ یہ مسئلہ پیدا ہونے کی اصل وجہ تمل ناڈو توحید جماعت (جماعۃ التوحید، تمل ناڈو) کا زکاۃ کے متعلق موقف ہے۔

تمل ناڈو توحید جماعت کے نام کی ترکیب جو ہے تمل زبان کے اعتبار سے ہے۔ کیونکہ اس جماعت کا وجود ہی صوبہ تمل ناڈو میں ہے۔ اور وہ وہاں اسی نام سے جانی پہچانی جاتی ہے۔ اس جماعت کا موقف یہ ہے کہ جس چیز میں ایک بار زکاۃ نکال دی جائے، تو اس کا حق ادا ہوگیا۔ پھر اس بقیہ مال میں آئندہ سال دوبارہ زکاۃ نکالنے کی ضرورت نہیں۔ مختصر یہ کہ ایک چیز میں ایک مرتبہ زکاۃ ادا کرنے کے بعد پھر اس مال میں ہر سال زکاۃ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

چونکہ کافی دنوں تک اس موضوع کے متعلق یہ تحقیقی جائزہ کتابی شکل میں نہیں آیا۔ اس لئے بعض لوگوں نے موقع پا کر توحید جماعت کے موقف کے متعلق بہت ساری غلط سلط باتوں کو منسوب کر دیا۔ ان میں سے بعض نے یوں کہا کہ توحید جماعت کہتی ہے کہ ایک شخص اپنی زندگی میں صرف ایک مرتبہ زکاۃ ادا کردے تو وہ اس کے لئے کافی ہے۔ اور بعض نے یہاں تک کہہ دیا کہ توحید جماعت زکاۃ کا کلی طور پر انکار کر رہی ہے۔

اس موضوع کے متعلق محقق ومناظر جناب شیخ پی۔ زین العابدین علویؒ نے جو فی الحال تمل ناڈو توحید جماعت کے صدر بھی ہیں خوب تحقیق کر کے گذشتہ ستمبر 2005ء کو ایک کتاب بزبان تمل مرتب کی۔ جو مون پبلیکیشنس چنئی سے شایع ہو کر منظر عام پر آگئی تا کہ عوام کو پتہ چلے کہ مال حرکی میں زکاۃ کے متعلق تمل ناڈو توحید جماعت کا موقف کیا ہے؟

اس کتاب میں زکاۃ کے متعلق تمام احکامات بیان نہیں کئے گئے ہیں بلکہ صرف اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے کہ کیا ایک مرتبہ زکاۃ دی ہوئی چیز میں بار بار یعنی ہر سال زکاۃ دینا چاہیے؟ اور جو لوگ زکاۃ دی ہوئی چیز میں ہر سال زکاۃ دینے کے قائل ہیں ان کے دلائل کیا ہیں؟ اور وہ کن وجوہات کی بناء پر قابل قبول نہیں ہیں۔ فاضل مرتب نے ان لوگوں کے دلائل کے اسناد (سندوں) کی تخریج کرتے ہوئے حقیقت واضح کر دی ہے۔

چونکہ یہ موضوع بحث فی الوقت چاروں طرف پھیل کر اردو دان طبقہ تک پہنچ چکا ہے۔

اور مختلف قسم کی باتیں سننے میں آرہی ہیں۔ اس لئے اصل کتاب [زکاۃ وورا ئیو بزبان تمل] کا اردو زبان میں ترجمہ کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ لہٰذا اس کو مولوی محمد ناصر عمری نے تمل سے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ گزارش کی جاتی ہے کہ کتاب کا بغور مطالعہ کر کے حقیقت سمجھنے کی کوشش کریں۔

ناشر

مترجم کی بات

علماء کی حیثیت مسائل کے اعتبار سے دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک حیثیت کسی بات کا دعویٰ کر کے دلیل دینا اور دوسری حیثیت دلیل نہ ہونے کی وجہ سے کسی مسئلہ کا انکار کرنا۔

کوئی مسئلہ اگر قرآن اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہو، اور کوئی اس کا انکار کرے یا اس سے ناواقفیت کا اظہار کرے تو علماء کرام دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ مسئلہ قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ اور پھر اس کے دلائل پیش کرتے ہیں۔ یعنی دعویٰ کر کے اس کے مطابق دلیل پیش کرتے ہیں۔ یہ ان کی پہلی حیثیت ہوئی۔

چند مسائل میں علماء کرام دعویٰ نہیں کرتے بلکہ ان کا انکار کرتے ہیں۔ جبکہ فریق مخالف اور عوام ضعیف حدیثوں کا حوالہ دیتے ہوئے ان پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ ان مواقع پر علماء کرام یہی کہیں گے کہ ان کو ثابت کرنے کے لئے قرآنی آیت یا صحیح ثابت شدہ حدیث نہیں ہے۔ ضعیف راویوں کی روایت کردہ حدیثوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ اسلئے ایسا کام نہیں کرنا چاہیے۔ یہ ان کی دوسری حیثیت ہوئی۔

زیر نظر کتاب میں ہماری حیثیت دوسری قسم کی ہے۔ یعنی وہ مال جس کی زکاۃ ادا کر دی گئی ہو، اس میں بار بار اور ہر سال زکاۃ نکالنا چاہیے۔ ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے بلکہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کے متعلق جتنی روایتیں آتی ہیں، ان میں ایک بھی صحیح روایت نہیں ملتی۔ جب تمام روایتیں ہی ضعیف اور نا قابل اعتبار ہوں تو ان کی بنیاد پر یہ حکم لاگو نہیں کیا جا سکتا کہ مال مزکی میں بھی ہر سال زکاۃ ادا کرنا فرض ہے۔ بہر حال اس کی مکمل وضاحت آگے آئے گی۔

یہ اور بات ہے کہ آدمی فرض کے علاوہ نفل کے طور پر، یعنی زکاۃ کے علاوہ صدقہ و خیرات کے طور پر اپنے مال میں سے ضرورت کے مطابق خرچ کر سکتا ہے۔ اور کرنا بھی چاہیے۔

آخر میں قارئین سے گذارش ہے کہ وہ خالی ذہن لے کر حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

کے۔ محمد ناصر عمری

کیا زکاۃ ادا کی ہوئی چیز میں پھر زکاۃ دینا چاہیے؟

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جس چیز میں پہلی مرتبہ زکاۃ ادا کردی گئی ہو۔ کیا اس چیز میں دوبارہ زکاۃ نکالنا ضروری ہے؟ تو دنیا کے اکثر علماء یہی جواب دیں گے کہ اگرچہ ایک مرتبہ زکاۃ دے دی گئی ہو، لیکن پھر بھی اس میں ہر سال زکاۃ دیتے رہنا چاہیے۔

ان کے قول کے مطابق اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی مسلمان کے پاس آج ایک لاکھ روپے ہوں، تو اس میں سے ڈھائی فیصد زکاۃ دینا چاہیے۔ اور آیندہ سال، بقیہ مال یعنی 97,500 روپے میں ڈھائی فیصد زکاۃ نکالنا چاہیے۔ اس طرح ہر سال زکاۃ دیتے رہنا چاہیے۔ اکثر علماء کی رائے یہی ہے۔

لیکن ہم اپنی تحقیق کی بنیاد پر اس رائے اور موقف سے الگ ہوتے ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ کسی کے پاس ایک لاکھ روپے ہوں۔ تو اس کی زکاۃ ڈھائی ہزار روپے نکالنا چاہیے۔ اس کے بعد پھر اس بقیہ رقم میں آیندہ سال دوبارہ زکاۃ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اس شخص کو اس رقم کے علاوہ اگر دوسرا کوئی مال ملا ہو۔ تو صرف اس دوسرے مال میں سے زکاۃ دینا چاہیے۔

یعنی ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ اگر کسی کو ایک لاکھ روپے ملے اور وہ اس کی زکاۃ ادا کردے تو اس کا فرض ادا ہوگیا۔ بعد میں دوبارہ ایک لاکھ روپے ملے، تو وہ دوسری مرتبہ جو ایک لاکھ روپے ملے ہیں، صرف اس کی زکاۃ ادا کردے، تو کافی ہے۔ کیونکہ وہی اس پر فرض ہے۔ پہلی مرتبہ جو ایک لاکھ روپے ملے ہیں جس کی زکاۃ پہلے ہی ادا کردی گئی، اس میں اب دوبارہ زکاۃ دینا فرض نہیں ہے۔

کسی کے پاس سو گرام سونا ہو، تو اس کی زکاۃ ڈھائی گرام سونا دینا چاہیے۔ اس کے بعد اگر اس کو مزید پچاس گرام سونا ملے، تو اس پچاس گرام سونے کی زکاۃ دینا ہی اس پر فرض ہے۔ اور سو گرام سونا جس کی زکاۃ پہلے ہی ادا کردی گئی ہے، اس میں زکاۃ فرض نہیں ہے۔

کسی چیز پر زکاۃ کے فرض ہونے کے لئے ایک سال مکمل ہونے تک انتظار کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اس لئے کسی کو اس ماہ ایک لاکھ روپے ملے ہوں، تو اس میں سے اس ماہ کا خرچ نکال دینے کے بعد جتنے روپے باقی ہوں، اس کی ڈھائی فیصد رقم بطور زکاۃ دینا چاہیے۔

اگر کسی کے پاس کم از کم 88 گرام سونا ہو یا اس کی قیمت ہو تو وہ زکاۃ کے نصاب کو پہنچ گیا۔ اور اس پر زکاۃ فرض ہوگئی۔

[جس کے پاس 624 گرام چاندی ہو یا اس کی قیمت رکھتا ہو۔ تو وہ بھی چاندی کے حساب سے نصاب کو پہنچ گیا ہے۔ اس لئے بعض علماء زور دیتے ہیں کہ چاندی کے نصاب کو زکاۃ فرض ہونے کے لئے کم از کم نصاب ماننا چاہیے۔ اس کے متعلق ہماری تحقیق جاری ہے۔]

ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ اصحاب نصاب (زکاۃ فرض ہونے کی حد کو پہنچے ہوئے لوگ) اگر روزانہ آمدنی پانے والے ہوں، تو اس روز کا جملہ خرچ نکال دیکر بقیہ رقم میں زکاۃ دینا چاہیے۔ اگر وہ ماہانہ آمدنی پانے والے ہوں، تو اس ماہ کے اخراجات گئے باقی مال میں زکاۃ نکالنا چاہیے۔ اور اگر وہ سالانہ آمدنی پانے والے ہوں، تو سالانہ خرچ نکال دیکر بقیہ مال کی زکاۃ ادا کرنا چاہیے۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ ہمارے اس طرح فیصلہ کرنے کی وجہ کیا ہے؟ زکاۃ دی ہوئی چیز میں دوبارہ زکاۃ دینا چاہیے۔ اس مفہوم کی چند حدیثیں وارد ہیں۔ اسی طرح ہر سال زکاۃ دینے کے متعلق حدیثیں بھی براہ راست اور اشارہ کے ساتھ منقول ہیں۔

یہ تمام احادیث واقعی ثابت شدہ ہوتیں، تو اس کی بنیاد پر فیصلہ کرنے میں انصاف ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان مطالب کی تمام روایتیں بے بنیاد ہیں۔ قابل حجت نہیں ہیں۔ ان میں سے بعض تو ضعیف ہیں۔ اور دیگر حدیثیں موضوع [من گھڑت] ہیں۔ ان کے متعلق تفصیلی بحث آگے آئے گی۔

☆ زکاۃ کب فرض ہوتی ہے؟۔ اس کے لئے دلیل ہے۔
☆ بطور زکاۃ کتنا دینا چاہیے؟۔ اس کے لئے دلیل ہے۔
☆ زکاۃ کن کن لوگوں کو دینا چاہیے؟۔ اس کے لئے ثبوت ہے۔

لیکن کسی چیز میں ایک مرتبہ زکاۃ دینے کے بعد باقی مال میں پھر دوبارہ زکاۃ دینا چاہیے۔ اس کو ثابت کرنے کے لئے قابل قبول دلیل اور ثبوت نہیں ہے۔ جب اس دعویٰ کو قائم کرنے کے لئے قابل حجت دلیل اور ثبوت نہ ہو تو یہ کس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ زکاۃ دی ہوئی چیز میں ایک مدت کے بعد پھر دوبارہ زکاۃ دینا چاہیے!!!

عام طور پر زمانہ کی قید کے بغیر کسی کام کے کرنے کا حکم دیا جائے۔ تو اُسے ایک مرتبہ کرنا

ہی مراد لیا جاتا ہے۔ عبادات سے لے کر دنیوی امور بشمول لین دین کے سارے ہی معاملات میں ایسا ہی سمجھا جاتا ہے اور ایسا ہی سمجھنا چاہیے۔

جہاں تک نماز کا تعلق ہے، روزانہ پانچ وقت نماز پڑھنے کا براہ راست حکم ہے۔ اس لئے ہم اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ روزانہ پانچ وقت نماز پڑھنا فرض ہے، ہاں البتہ قرآن یا حدیث میں صرف نماز پڑھنے کا حکم ہو، اور وقت مقرر نہ ہو تو یوں نہیں سمجھا جائے گا کہ روزانہ پانچ مرتبہ یا ماہانہ ایک مرتبہ یا سالانہ ایک مرتبہ پڑھنا چاہیے۔ اگر کسی نے اپنی طرف سے اس کو متعین کر لیا ہو، تو سوال پیدا ہوگا کہ کس بنیاد پر یہ فیصلہ کیا گیا ہے؟

اور جہاں تک روزے کا تعلق ہے۔ قرآن میں اس کے متعلق واضح حکم ہے کہ رمضان کا پورا مہینہ روزہ رکھے۔ رمضان ایک مخصوص مہینہ کا نام ہے۔ اور یہ مہینہ ہر سال پلٹ کر آتے رہنے سے ہم یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہر سال ماہ رمضان میں روزہ رکھنا چاہیے۔

فرض کیجئے کہ ماہ رمضان کا ذکر کئے بغیر صرف روزہ رکھنے کا حکم ہو، اور قرآن وحدیث میں اس کے متعلق کوئی صراحت نہ ہو کہ کس دن، یا کس تاریخ یا کس ماہ میں روزہ رکھنا چاہیے؟ تو اس حکم کو کس طرح سمجھا جائے گا؟

جب ایسی بات ہو تو اس کو یوں سمجھا جائے گا کہ زندگی میں ایک مرتبہ اس حکم پر عمل ہونا چاہیے۔ تو اس نتیجہ پر کوئی قابل قبول اعتراض نہیں ہوگا۔ اس کے بجائے اگر آپ اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے مراد ہر ہفتہ، یا ہر ماہ، سال میں ایک ماہ، یا سال میں ایک ہفتہ، وغیرہ، تو پھر سوال اٹھتا ہے کہ آپ نے کس بنیاد پر اس طرح سمجھ لیا؟ ظاہر ہے کہ اس کا ٹھیک جواب نہیں ملے گا۔

اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے حج کی فرضیت کی مثال دی جا سکتی ہے۔ ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے۔ اس لئے تم حج کرو۔ ایک آدمی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہر سال [حج کرنا فرض ہے]؟ آپ ﷺ خاموش رہے۔ یہاں تک کہ اس نے اپنا سوال تین مرتبہ دہرایا

تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دیتا تو تم پر [ہر سال] واجب [ضروری] ہو جاتا۔ اور تم اس کی استطاعت نہ رکھتے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے جس کے متعلق تمہیں [وضاحت کئے بغیر] چھوڑ دیا۔ تو تم بھی مجھے [اس کے متعلق سوال کئے بغیر] چھوڑ دو۔ کیونکہ وہ لوگ جو تم سے پہلے تھے، وہ کثرت سے سوال کرنے اور اپنے پیغمبروں کے ساتھ اختلاف کرنے کی وجہ سے ہی ہلاک ہوئے [صحیح مسلم، حدیث نمبر:2380]۔

قابل غور بات یہ ہے کہ یہاں پر کسی قسم کی قید کے بغیر عمومی طور پر حج کی فرضیت کے بارے میں بتایا جا رہا ہے۔ تو ایک صحابی اللہ کے رسول ﷺ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا حج کرنا ہم پر ہر سال فرض ہے؟ اس سوال پر اللہ کے نبی ﷺ نے سخت غصہ اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ حج زندگی میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے۔

اگر چہ صحابی کا سوال کرنا بے جا نہ تھا۔ کیونکہ حج کا مہینہ ہر سال آتا ہے۔ اور لوگ ہر سال جمع ہو کر مناسک حج ادا کرتے ہیں۔ اس کے باوجود اللہ کے رسول ﷺ وضاحت کر دیتے ہیں کہ ایسا مت سمجھو۔

تو اس حدیث رسول سے ہم بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ زمانے کی قید لگائے بغیر کسی چیز کا حکم دیا جائے تو مجموعی طور پر ایک بار اس حکم پر عمل کرنا چاہیے۔

فرض کیجئے کہ ہم کسی شخص کو حکم دیتے ہیں کہ موسیٰ کو ہزار روپے دو۔ تو وہ شخص اور موسیٰ دونوں یہی سمجھیں گے کہ موسیٰ کو صرف ایک مرتبہ ہزار روپے دینا چاہیے۔ ایسا نہیں ہوگا کہ ہمارے حکم کی بناء پر موسیٰ ہر سال اس شخص سے ہزار روپے طلب کرے۔ اور اگر موسیٰ ایسا کرنے لگے بھی تو وہ شخص ہر گز نہیں دے گا۔ اسی بنیاد پر زکاۃ کے متعلق حکم بھی منحصر ہے۔

مخالف رائے رکھنے والے [فریق مخالف] بارہا ہم سے یہ سوال کرتے ہیں کہ آپ لوگ ایک چیز میں ایک بار زکاۃ دینے کے قائل ہیں، کیا اس کے لئے ثبوت پیش کر سکتے ہیں؟

جب یہ اچھی طرح معلوم ہو کہ ایک لفظ کا معنیٰ یہی ہے، تو پھر اس کے لئے دلیل مانگنا

اور ثبوت چاہنا کیا عقل میں آنے والی بات ہے؟ کیا یہ معقول سوال ہے؟

یہ بات سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ مثال کے طور پر ہم کسی سے کہتے ہیں کہ میں آپ کو ہزار روپے دیتا ہوں۔ کہنے کے مطابق اس کو ہزار روپے دیدیتے ہیں۔ وہ شخص آیندہ سال آ کر دوبارہ ہم سے ہزار روپے طلب کرے، تو ہم اس کو یہی جواب دیں گے کہ میں تو ہزار روپے دے چکا ہوں۔ پھر بھی اگر وہ آپ سے یہ سوال کرے، کیا آپ نے یہ کہا کہ ہر سال نہیں دوں گا؟ اس کے لئے کیا دلیل ہے؟ تو ہم ان کے بارے میں کیا سمجھیں گے؟

ہم پلٹ کر انہی سے یہ سوال کریں گے کہ کیا تم نہیں سمجھتے ہو کہ ہر سال دینے کا ذکر کئے بغیر عمومی طور پر کہنا ہی اس کے لئے دلیل ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی کہ اپنے مال میں زکاۃ دو۔ ایک عمومی بات ہے۔ اس میں کسی قسم کی تخصیص نہیں ہے۔

☆ اپنے مال میں زکاۃ کیا ہر لمحہ دینا چاہیے؟	☆ کیا ہر منٹ دینا چاہیے؟
☆ اپنے مال میں زکاۃ کیا ہر گھنٹہ دینا چاہیے؟	☆ کیا ہر دن دینا چاہیے؟
☆ اپنے مال میں زکاۃ کیا ہر ہفتہ دینا چاہیے؟	☆ کیا ہر ماہ دینا چاہیے؟
☆ اپنے مال میں زکاۃ کیا مہینہ میں دوبار دینا چاہیے؟	☆ یا دو ماہ میں ایک بار دینا چاہیے؟
☆ کیا زکاۃ تین ماہ میں ایک مرتبہ دینا چاہیے؟	☆ یا چھ ماہ میں ایک مرتبہ دینا چاہیے؟

☆ کیا اپنے مال میں سال میں ایک مرتبہ دینا چاہیے؟

☆ کیا زکاۃ پانچ سال میں ایک بار دینا چاہیے؟

بہر حال اپنے مال میں زکاۃ دو۔ ایک عمومی بات ہے۔ اس میں کسی قسم کی تخصیص نہیں ہے۔ لفظ میں عموم ہونے کی وجہ سے ہزاروں مطالب اور مرادیں لی جاسکتی ہیں۔ تو جو لوگ ہزاروں مطالب دینے والے ایک عمومی لفظ کو صرف سال بہ سال، ہر سال یا سال میں ایک مرتبہ کے معنی ومطلب کے لئے خاص کرتے ہیں، انہیں لوگوں کو اس کے لئے مناسب دلیل پیش کرنا چاہیے؟

زمانے کی کسی تخصیص کے بغیر کہنا ہی ہمارے لئے کافی دلیل ہے یعنی وقت کے تعین کے بغیر یوں ہی کہا جائے تو عام طور پر اس سے مراد ایک مرتبہ کا معنیٰ ہی آتا ہے۔ وقت کی قید کے بغیر کوئی کام کرنے کا حکم دیا جائے، تو اس سے مراد وہ کام صرف ایک مرتبہ ہونا چاہیے۔ اس کے لئے ذیل کی مثال بھی دی جاسکتی ہیں۔

پرانا دفینہ جو کسی کو کہیں مل جائے تو اس میں اللہ کے رسول ﷺ نے پانچواں حصہ [بیس فیصد] مقرر فرما کر ادا کرنے کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری 1499, 2355, 6912, 6913)
اس سے کیا وہ لوگ یہ سمجھیں گے کہ جس کو دفینہ ملا ہو، اسے ہر سال 20 فیصد دینا چاہیے؟ یا یہ کہ مجموعی طور پر صرف ایک مرتبہ دینا کافی ہے؟
نبی ﷺ نے مقرر فرما دیا کہ مالِ غنیمت [یعنی وہ مال ومتاع جن کو مسلمان ظالم کافروں سے جنگ کر کے جیت ہونے کے بعد حاصل کرتے ہیں] میں سے پانچواں حصہ [بیس فیصد] ادا کرنے کا حکم دیا۔ صحیح بخاری: 53, 87, 523, 1398, 3095, 4368, 7556
کیا اس حکم کا مطلب یہ ہے کہ مالِ غنیمت میں ہر سال بیس فیصد دیا جائے؟ یا پھر یہ مطلب کہ جب دوبارہ کافروں سے جنگ لڑ کر مالِ غنیمت ملے۔ تو صرف اس میں 20 فیصد دیا جائے۔

اس لئے جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مالِ مزکّیٰ [زکاۃ ادا کیے ہوئے مال] میں بھی ہر سال زکاۃ دینا چاہیے، انہیں اپنا دعویٰ کو ثابت کرنا چاہیے۔ ورنہ یہ دعویٰ خود بخود ثابت ہو جائے گا کہ ایک چیز میں ایک مرتبہ دینا چاہیے۔ یہی ہماری پیش کردہ سب سے اہم دلیل ہے نیز ہم اس کی تائید کرنے والے چند معاون دلائل کو بھی ضمنی طور پر بیان کر چکے ہیں۔
فریقِ مخالف [مخالف رائے رکھنے والے] کو سب سے پہلے ہمارے دعویٰ کا بنیادی طور پر مناسب طریقے سے رد کر کے تعاقب کرنا چاہیے۔ اس کے بعد آگے چل کر ہی معاون دلائل کی باری آتی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ ہمارے اصل دعویٰ کو نظر انداز کر کے معاون دلائل میں پوچھے گئے صرف چند ایک سوالوں کا جواب دیکر اصل مسئلہ کا رُخ پھیر دیں۔
فرض کیجئے کہ اگر وہ لوگ ہمارے پیش کردہ ضمنی [معاون] دلائل کو غلط بھی ثابت کر دیں۔ پھر بھی وہ اپنا دعویٰ [یعنی زکاۃ دی ہوئی چیزوں میں ہر سال زکاۃ دینے کا موقف] ثابت کر ہی نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ وہ ہمارے بنیادی دعویٰ کا جواب نہ دیں۔
بہر کیف ان لوگوں کو معاون دلائل کا بھی جواب دینا چاہیے۔ بلکہ اس سے کہیں زیادہ اہم مسئلہ یہ ہے کہ انہیں اپنے اس دعویٰ کو ذرا بھی شک وشبہ کی گنجائش کے بغیر ثابت کرنا چاہیے کہ زکاۃ دی ہوئی چیز میں بار بار یعنی ہر سال زکاۃ دیتے رہنا چاہیے۔ یہ اس فریق کا اولین فریضہ ہے۔

زکاۃ مال کو پاک کرنے کے لئے ہی ہے

زکاۃ فرض ہونے کا مقصد کیا ہے؟ اس کے متعلق اسلام میں صراحت ہے۔
وہ مقصد بھی ہمارے موقف کی تائید کر رہا ہے۔

(1417) حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَعْلَى الْمُحَارِبِيُّ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا غَيْلَانُ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ إِيَاسٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ قَالَ كَبُرَ ذَلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَا أُفَرِّجُ عَنْكُمْ فَانْطَلَقَ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ إِنَّهُ كَبُرَ عَلَى أَصْحَابِكَ هَذِهِ الْآيَةُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَفْرِضْ الزَّكَاةَ إِلَّا لِيُطَيِّبَ مَا بَقِيَ مِنْ أَمْوَالِكُمْ وَإِنَّمَا فَرَضَ الْمَوَارِيثَ لِتَكُونَ لِمَنْ بَعْدَكُمْ فَكَبَّرَ عُمَرُ ثُمَّ قَالَ لَهُ أَلَا أُخْبِرُكَ بِخَيْرِ مَا يَكْنِزُ الْمَرْءُ الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ إِذَا نَظَرَ إِلَيْهَا سَرَّتْهُ وَإِذَا أَمَرَهَا أَطَاعَتْهُ وَإِذَا غَابَ عَنْهَا حَفِظَتْهُ۔ أخرجه ابوداود.

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، تو آپ انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجئے (سورۃ التوبہ: آیت نمبر ۳۴)۔ تو اس آیت سے صحابہ کرام کو بڑی مشکل پیش آئی۔ عمر بن خطابؓ نے کہا کہ میں تم لوگوں کی مشکل آسان کرتا ہوں اور جا کر رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ آپ کے صحابہ کو اس آیت سے بڑی مشکل پیش آگئی ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے زکاۃ اسی لئے فرض کی ہے کہ تمہارے باقی مال کو پاک بنا دے۔ (حوالہ: ابوداود 1417)

اس فرمان پر غور کیجئے کہ اللہ نے زکاۃ تمہارے باقی مال کو پاک بنانے کے لئے ہی فرض کی ہے۔ یعنی زکاۃ فرض ہونے کا مقصد تمہارے باقی مال کو پاک کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ نبی ﷺ کا یہ فرمان ہمارے موقف کی تائید کرنے والی واضح دلیل ثابت ہوئی ہے۔

جبکہ مخالف رائے رکھنے والے دعوی کر رہے تھے کہ ایسی کوئی حدیث ہے ہی نہیں جس سے پتہ چلے کہ زکاۃ مال کو پاک کرتی ہے۔ ہمارے موقف کی تردید کرنے والوں نے کتاب بھی شایع کر دی ہے۔ لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ مذکورہ بالا حدیث ان کے دعوی کو غلط ثابت کر رہی ہے۔

زکاۃ دینے کا مقصد ہی باقی مال کو پاک بنانا ہے جیسا کہ اوپر کی حدیث دلالت کر رہی

ہے۔تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح اور عیاں ہے کہ زکاۃ دی ہوئی چیزوں پر دوبارہ زکاۃ دینے کی ضرورت نہیں۔مخالف رائے رکھنے والوں نے جب دیکھا کہ یہ حدیث ہمارے موقف کی تائید کر رہی ہے،تو پھر اس حدیث کی سند کو منقطع کہہ کر رد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اس روایت کی سند یوں ہے:١۔صاحب کتاب امام ابوداؤد ٢۔عثمان بن ابی شیبہ

٣۔یحیٰی ٤۔یعلیٰ المحاربی ٥۔غیلان ٦۔جعفر بن ایاس

٧۔مجاھد ٨۔ابن عباس ٩۔عمر فاروق ١٠۔اللہ کے رسول محمد ﷺ

اس سند کے ہر ایک راوی اپنے بعد والے راوی سے اس حدیث کی روایت کرتے ہیں۔

جبکہ زکاۃ کے بارے میں ہمارا فریق مخالف کہتا ہے کہ اس سلسلہ سند میں (٥) غیلان کو (٦) جعفر بن ایاس سے روایت کرتے ہوئے بتایا گیا ہے۔حالانکہ ان دونوں کے درمیان ملاقات نہیں ہوئی اور لقاء ثابت نہیں ہے۔اس لئے اس حدیث کی روایت کا سلسلہ کٹا ہوا ہے۔یعنی یہ حدیث منقطع ہے۔اس لئے قابل قبول نہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ سند کے معاملہ میں یہ بات قابل رد ہے،قابل قبول نہیں۔کیونکہ جو یہ کہتے ہیں کہ ان دونوں کے درمیان ملاقات نہیں ہوئی،ان کو اس کا سبب اور اس کی وجہ بتانا چاہیے۔سبب اور علت بتانے کے بجائے وہ لوگ بطور دلیل یہ کہہ دیتے ہیں کہ علامہ شیخ البانی نے ایسا ہی کہا ہے۔

یہ بات فریق مخالف خود جانتا ہے کہ ابن حجر،ذھبی،ابن معین، یحیٰی بن سعید جیسے بڑے پائے کے علماء،جرح وتعدیل کے ماہرین،جنہوں نے شیخ ناصر الدین البانی سے کئی گنا زیادہ تحقیقات کی ہیں۔پھر بھی ان ماہرین سند کی،بلاوجہ (وجہ اور سبب بتائے بغیر) کی جانے والی جرح کو تسلیم نہیں کرتا۔لیکن تعجب ہے کہ یہ فریق شیخ البانی کے معاملہ میں جو ہمارے ہی دور میں زندگی بسر کر کے وفات پا چکے ہیں،یہ معیار باقی نہیں رکھتا!؟ بلکہ ان کی عقیدت میں غلو کی حد تک پہنچ چکا ہے۔اسی لئے یہ لوگ شیخ البانی کی اس جرح وتنقید کو آنکھ بند کر کے تسلیم کر لیتے ہیں،جس کی انہوں نے وجہ نہیں بتائی۔یہ کیا معیار ہے؟اور کہاں کا انصاف ہے!؟

بہت سارے علماء کی ذہنیت ہی بن گئی ہے کہ شیخ البانی جس حدیث کو صحیح کہہ دیں،اس کو آنکھ بند کر کے مان لیا جائے جبکہ شیخ البانی نے بعض مواقع پر صحیح حدیث کو ضعیف کہا ہے اور ضعیف حدیث کو صحیح کہا ہے۔اسی طرح حدیث کے متن میں جو الفاظ درحقیقت نہیں ان کے

متعلق کہا کہ یہ حدیث میں ہے۔اس کے لئے دلائل موجود ہیں۔اگرچہ شیخ البانی فن حدیث کے ماہر ہیں۔لیکن پھر بھی انسان ہونے کی بناء پر غلطیوں کا سرزد ہونا بدیہی بات ہے۔اس لئے یہ بات ذہن نشین ہونا چاہیے کہ کوئی بھی فن حدیث کا ماہر اس طرح کی خامیوں سے بالاتر ہو ہی نہیں سکتا۔

شیخ البانی نے اس روایت کے منقطع ہونے کے لئے یہ حوالہ دیا کہ یہی حدیث حاکم کی روایت میں جعفر بن ایاس، عثمان بن قطان اور غیلان کے طرق سے آتی ہے۔شیخ البانی کا کہنا ہے کہ اس روایت میں غیلان کے اور جعفر بن ایاس کے درمیان عثمان بن قطان نامی ایک راوی آتے ہیں جو ابوداؤد کی روایت میں چھوٹ گئے ہیں۔اس لئے یہ روایت منقطع ہے۔

حالانکہ حاکم کی اس روایت میں، درمیان کا راوی عثمان بن قطان ضعیف ہے۔اس لئے یہ روایتِ حدیث قابل قبول نہیں ہے۔اس سلسلہ روایت کے درمیان ایک ضعیف راوی کے داخل کردیئے جانے سے یہ فیصلہ کرنا کہ ابوداؤد کی صحیح (مرفوع اور متصل) روایت میں وہ راوی چھوٹ گیا ہے۔بے معنی تحقیق ہے۔کیونکہ اگر ضعیف راوی کو صحیح سند میں منقطع (کٹا ہوا) سمجھ کر جوڑ لیں۔تو صحیح روایت بھی اس کی وجہ سے ضعیف قرار پائے گی۔اس لئے ایسے موقع پر اہمیت اس بات کو دینا چاہیے کہ متعلق راوی کی ملاقات اپنے اوپر کے راوی سے ہوسکتی ہے کہ نہیں۔

اس لحاظ سے اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا راوی غیلان کی ملاقات اپنے اوپر کے راوی جعفر بن ایاس سے درحقیقت ہوسکتی ہے؟ تو ایسا ضرور ممکن ہے۔کیونکہ غیلان کی وفات 132 ہجری میں ہوئی جبکہ جعفر بن ایاس کی وفات 126 ہجری میں ہوئی۔

(5368) غيلان بن جامع بن أشعث المحاربي أبو عبد الله الكوفي قاضيها ثقة من السادسة مات سنة اثنتين وثلاثين م د س ق تقريب التهذيب ج: ١ ص443

930 جعفر بن اياس أبو بشر بن أبي وحشية بفتح الواو وسكون المهملة وكسر المعجمة وتثقيل التحتانية ... مات سنة خمس وقيل ست وعشرين ع. تقريب التهذيب ج: ١،ص139

ان دو راویوں کی وفات کے درمیان چھ سال کا وقفہ ہے۔اس طرح اس راوی کے اس راوی سے ملاقات کرنے، حدیث سننے اور روایت کرنے کے لئے جتنا زمانہ مناسب تھا، اس سے کئی گنا زیادہ کا زمانہ میسر آیا ہے۔

اس کے علاوہ جعفر بن ایاس بصرہ کے رہنے والے ہیں جبکہ غیلان کوفہ کے رہنے والے ہیں۔آپ کو معلوم ہے کہ کوفہ اور بصرہ آپس میں ایک دوسرے کے قریب کے شہر ہیں۔تو قریب

کے شہر والوں کے آپس میں ایک دوسرے سے ملنے میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔

یہ سب جانتے ہیں کہ صحیح مسلم میں پائی جانے والی احادیث قابل حجت ہیں۔تو اس مجموعہ احادیث کے مرتب امام مسلم، اس کے وقیع مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ "دو راوی ثقہ اور قابل بھروسہ ہوں، اور وہ دونوں ایک ہی زمانے میں موجود رہے ہوں اور ان دونوں کا آپس میں ملاقات کرنے اور حدیث بیان کرنے کا امکان بھی ہو تو یہ خود کافی دلیل ہے کہ ایک راوی نے دوسرے راوی سے حدیثیں سنی ہیں۔

اس معیار کے مطابق ہی امام مسلم نے حدیثیں اپنی کتاب صحیح مسلم میں جمع کی ہیں۔فن حدیث کے ماہرین اس اصول کو تسلیم کرتے ہیں۔اس لئے کوئی اس کا انکار نہیں کرسکتا کہ راوی غیلان نے جعفر بن ایاس سے حدیثیں سنی ہیں اور روایت کی ہیں۔

یہ کہنے کے لئے کہ ان دونوں کے درمیان ملاقات نہیں ہوئی، کوئی دلیل نہیں ہے۔اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ شیخ البانی نے غلط معیار کی بنیاد پر غلط فیصلہ کیا ہے۔ جسے فن حدیث کا کوئی بھی عالم تسلیم نہیں کرتا۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ (مخالف رائے رکھنے والے) ضعیف حدیث کے ذریعہ صحیح حدیث کا انکار کرنے کی تائید کررہے ہیں۔ بہر کیف زکاۃ مال کو پاک کرنے کے لئے ہی ہے۔اور اس بات کی تائید اور بھی چند حدیثوں سے ہوتی ہے۔

راز کیا ہے؟

1404 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ شَبِيبِ بْنِ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ يُونُسَ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ أَسْلَمَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فَقَالَ أَعْرَابِيٌّ أَخْبِرْنِي عَنْ قَوْلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا مَنْ كَنَزَهَا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهَا فَوَيْلٌ لَهُ إِنَّمَا كَانَ هَذَا قَبْلَ أَنْ تُنْزَلَ الزَّكَاةُ فَلَمَّا أُنْزِلَتْ جَعَلَهَا اللَّهُ طُهْرًا لِلْأَمْوَالِ۔ اخرجه البخاری۔

خالد بن اسلم نے بیان کیا کہ ہم عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ کہیں جارہے تھے۔ایک دیہاتی (بدو) نے آپ سے پوچھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر بتلایئے کہ جو لوگ سونے چاندی کا خزانہ بنا رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ حضرت عبداللہ

بن عمرؓ نے اس کا جواب دیا کہ اگر کسی نے سونا چاندی جمع کیا اور اس کی زکاۃ نہ دی تو اس کے لئے خرابی ہے۔ یہ حکم زکاۃ کے احکام نازل ہونے سے پہلے تھا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے زکاۃ کا حکم نازل کر دیا تو اب وہی زکاۃ مال و دولت کو پاک کرنے والی ہے۔ بخاری: حدیث نمبر 1404۔

زکاۃ مال کو پاک کرنے کے لئے ہی ہے۔ سنن ابی داؤد کی 1917 والی حدیث کو صحابہ نے بھی ایسا ہی سمجھا تھا۔ اس کے لئے اوپر کی حدیث ہی کافی ثبوت ہے۔

جب ہم یہ کہتے ہیں تو جان بوجھ کر، نادان کی طرح وہ ہم سے یہ سوالات کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کی رائے کو بطور حجت پیش کرنا کیسا ہے؟ تو معلوم ہونا چاہیے کہ دلیل کے طور پر پیش کرنا الگ چیز ہے۔ اور دلیل کی بنیاد پر ثابت شدہ حقیقت کو، تائید کرنے کے لئے پیش کرنا الگ چیز ہے۔ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ وہ سمجھے بغیر بات کا رُخ پھیر رہے ہیں۔

ہم صحابیِ رسول کے قول کو بطور دلیل نہیں پیش کر رہے ہیں۔ بلکہ ابوداؤد کی روایت میں درج شدہ فرمان رسول کو بطور دلیل پیش کرکے، پھر اس کی مزید وضاحت کے لئے ہی صحابیِ رسول عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول نقل کر چکے ہیں۔

یاد رہے کہ جو لوگ اقوال صحابہ کو دین میں، قرآن و حدیث کے بعد، تیسرا ثبوت قرار دیتے ہیں۔ ان کے اس تیسرے ثبوت کا انکار کرنے کی وجہ کیا ہے؟ یعنی یہ فریق مخالف، ایک طرف قولِ صحابی کو حجت مانتا ہے۔ اور دوسری طرف اس قول صحابی کو حجت ماننے سے انکار کر رہا ہے۔ بہرحال ہم کو تو یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ اس کا راز کیا ہے؟

میل کچیل اور تردید

ہم جانتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کے خاندان والوں پر زکاۃ لینا حرام ہے۔ اس کے لئے بہت ساری دلائل موجود ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے آپ پر، اور اپنے خاندان والوں پر زکاۃ لینا جو حرام ٹھہرایا، اس کی خاص وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: یہ (زکاۃ و صدقہ) لوگوں کے میل کچیل ہیں۔ حوالہ: صحیح مسلم۔ نمبر 1784

اس حدیث کو لے کر بعض لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ زکاۃ صرف لوگوں کو پاک بنانے

والی ہے۔ مال ودولت کو پاک نہیں بناتی۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ یہ دعویٰ خود ان ہی کے خلاف ہے۔ کیونکہ لوگوں کے میل سے یہ مراد نہیں کہ وہ (زکاۃ وصدقہ) واقعی لوگوں کے بدن سے نکالی ہوئی میل کچیل ہے۔

زکاۃ دینے کے بعد جب باقی مال پاک وصاف ہو جاتا ہے۔ جس کے لئے ابوداؤد کی حدیث دلیل ہے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول وضاحت کر رہا ہے۔ تو یہ بات خود بخود سمجھ میں آتی ہے کہ بطور زکاۃ جو مال ادا کیا گیا، وہ میل کچیل اور ناپاک ہے۔ اس لئے نبی ﷺ نے یہ الفاظ "لوگوں کا میل" کہہ کر "لوگوں کی ناپاک اور میلی چیزیں" مراد لی ہے۔ اس سے یہ یقین اور زیادہ بڑھ جاتا ہے کہ زکاۃ دینے کا مقصد باقی مال کو پاک بنانا ہی ہے۔

کیا زکاۃ لوگوں کو پاک صاف کرے گی؟

اور بعض لوگ صرف ان دلائل کو پیش کرتے ہیں، جن میں زکاۃ کے لوگوں کو پاک کرنے کی بات آئی ہے۔ اور ان دلائل کو نظر انداز کر دیتے ہیں، جن میں زکاۃ لوگوں کے اموال (مال ودولت) کو پاک کرنے کی بات آئی ہے۔ وہ لوگ ذیل کی یہ آیت بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے (اے نبی) آپ ان کے مالوں میں صدقہ لے لیجئے۔ اس کے ذریعے آپ ان کو پاک کیجئے۔ اور ان کا تزکیہ کیجئے (التوبۃ: آیت نمبر 103)

ہمارا جواب یہ ہے کہ اگرچہ یہ آیت بتاتی ہے کہ زکاۃ لوگوں کو پاک صاف کرتی ہے۔ لیکن اس سے یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا کہ زکاۃ مال ودولت کو پاک نہیں بناتی۔ کیونکہ پچھلے صفحات میں اس کے متعلق فرمان رسول ﷺ گزر چکا ہے۔

اس حقیقت کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ کوئی یوں کہتا ہے کہ یہ سوئی نئے کپڑے کو سیتی ہے تو اس سے کیا یہ مراد لیا جا سکتا ہے کہ سوئی پرانے اور پھٹے کپڑے کو نہیں سیتی۔ اسی طرح ہم یہ کہتے ہیں کہ آیت قرآنی کے مطابق زکاۃ لوگوں کو بھی پاک وصاف کرتی ہے۔ اور حدیث رسول کے مطابق زکاۃ ان کے مالوں کو بھی پاک صاف کرتی ہے۔

وارث کے مال میں زکاۃ کیوں؟

فریق مخالف ہم سے یہ سوال کرتا ہے کہ تمہارا دعویٰ یہ ہے کہ زکاۃ دینے سے مال پاک

صاف ہو جاتا ہے۔ تو مال مزکی (وہ مال جس میں زکاۃ دی گئی ہو) میں باپ کے بعد، میراث میں جب بیٹے کو ملتا ہے، تو اس میں سے کیوں زکاۃ دینا چاہیے؟

اس کے متعلق ہمارا جواب یہ ہے کہ چونکہ وہ مال مالک کے قبضے سے نکل کر دوسرے کی ملکیت اور قبضے میں چلا جاتا ہے۔ یعنی ملکیت کے بدل جانے سے سابق فیصلہ (پرانا حکم) باقی نہیں رہتا۔

آپ جانتے ہیں کہ نبی ﷺ کے لئے زکاۃ کا مال حرام ہے۔ اور سب کو معلوم ہے کہ وہ ناپاک اور میل کچیل ہے۔ جسے زکاۃ کے مستحق صحابہ لینے کے بعد نبی ﷺ کو بطور تحفہ پیش کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اُسے قبول کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ تمہارے لئے صدقہ تھا، لیکن اب ہمارے لئے یہ ہدیہ ہے۔ (بخاری نمبر 2577, 2578, 5097, 5279)

جو چیز لوگوں کے میل کچیل کی حیثیت رکھتی ہے وہ جس طرح ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں چلی جانے کی وجہ سے اس کی میل کچیل کی حیثیت بدل جاتی ہے۔ یعنی پرانی حالت باقی نہیں رہتی۔ اسی طرح ایک آدمی کو، دوسرے آدمی سے مال ملے، اور وہ نصاب کو پہونچے، تو وہ اپنے حصے کی زکاۃ دینا چاہیے، ورنہ وہ میل کچیل ہی کی حالت میں رہے گا۔

گویا کہ فریق مخالف نبی ﷺ سے ہی یہ سوال کر رہا ہے کہ میل کچیل اور ناپاک چیز کیوں کر پاک صاف ہوگئی!؟ ایک اہم بات کی دوبارہ یاد دہانی کرانا ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ ہم نے یہاں پر زکاۃ کے باقی مال کو پاک کرنے کے متعلق جو حوالہ پیش کیا ہے، وہ در حقیقت معاون ثبوت ہے۔ اور فرض کیجیے کہ اگر کوئی اس دعویٰ کو غلط ثابت کردے کہ زکاۃ مال کو پاک نہیں بناتی، اس کے باوجود بھی ہمارے اصل موقف میں کوئی فرق نہیں آتا کہ زکاۃ دی ہوئی چیز (مال مزکی) میں پھر بار بار زکاۃ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

کچھ لوگ اس قسم کے سوالات کرتے ہیں کہ کیا حدیث میں اس بات کے لئے دلیل ہے کہ جزیہ ہر سال وصول کرنا چاہیے؟ تم صرف اس کو کیوں مان لیتے ہو؟

در حقیقت یہ لوگ نہیں سمجھ پا رہے ہیں کہ ہمارا اصل موقف کیا ہے؟ فرض کیجئے کہ اگر اللہ کے نبی ﷺ نے کافروں سے جزیہ ہر سال وصول کرنے کے متعلق نہیں فرمایا، تو ہم نے زکاۃ کے متعلق جو موقف اختیار کیا ہے۔ وہی موقف اس کے لئے بھی اختیار کریں گے۔

زکاۃ کے متعلق ہم پہلے سے جس نتیجہ کو پہنچ چکے ہیں، اس کی بنیاد پر جزیہ کے معاملہ میں

بھی وہی فیصلہ کریں گے۔ جب پہنچا ہوا نتیجہ ایک ہو، تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ زکاۃ کے لئے الگ حکم ہو اور جزیہ کے لئے الگ حکم؟

نا قابل قبول دلائل

جن لوگوں کا موقف یہ ہے کہ ایک بار زکاۃ دی ہوئی چیز میں پھر بھی ہر سال زکاۃ دیتے رہنا چاہیے۔ اس کے لئے وہ جو دلائل پیش کرتے ہیں، سب کی سب ضعیف روایات ہیں۔ ان دلائل میں چند روایات ایسی ہیں کہ ضعیف ہونے کے علاوہ ان کا دعویٰ ثابت کرنے کافی نہیں ہیں۔ اور چند روایات ایسی ہیں کہ ان میں ضعف ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام کی دوسری کئی بنیادوں سے ٹکرانے والی باتیں بھی ہیں۔ اب ہم فریق مخالف کی ان دلائل کا جائزہ لیتے ہوئے آگے بڑھیں گے۔

1. یتیم کے مال کے متعلق۔۔۔

عمرو بن شعیب، اپنے باپ سے اور دادا کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: آگاہ ہو جاؤ، جو کسی یتیم کا متولی (کفیل اور ذمہ دار) ہو، اور اس یتیم کے پاس مال بھی ہو تو وہ (اس مال میں) تجارت کرتا رہے۔ اور اس کو یوں چھوڑ نہ دے کہ اس (مال یتیم) کو زکاۃ کھا لے (یعنی زکاۃ دیتے دیتے خالی نہ ہو جائے) حوالہ: جامع الترمذی۔ حدیث نمبر 581

ان کا دعویٰ

فریق مخالف اس حدیث کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں تو ہم پہلے یہ بتائیں گے کہ وہ لوگ اس حدیث سے کس طرح اپنا دعویٰ پیش کرتے ہیں؟ یہ جاننے کے بعد، تحقیق کریں گے اس حدیث کا درجہ اور معیار کیا ہے؟ اور اس فریق کا دعویٰ کہاں تک صحیح ہے؟

فریق مخالف کا کہنا ہے کہ جب زکاۃ دی ہوئی چیز میں دوبارہ زکاۃ دینا ثابت نہیں ہے، تو اللہ کے نبی ﷺ اس طرح ہرگز نہیں فرمائیں گے کہ یتیم کے اس مال کو زکاۃ کھا جائے گی۔ ایک بار زکاۃ اڑھائی (2 1/2) فیصد دیجائے، تو باقی ساڑھے ستانوے 1/2 97) فیصد مال باقی رہے گا۔ اس میں ہر سال زکاۃ نکالی جائے تو خود بخود کم ہوتا چلا جائے گا۔ اسی لئے اللہ کے نبی ﷺ نے یتیم کا مال رفتہ رفتہ ختم ہونے سے روکنے کی خاطر اس کو سرمایہ بنا کر تجارت کرنے کی تعلیم دی ہے۔ اسی سے پتہ چلتا ہے کہ ایک چیز میں ایک بار نہیں بلکہ ہر سال زکاۃ دیتے رہنا چاہیے۔ یہ ہے فریق مخالف کا دعویٰ۔

حدیث کا درجہ اور معیار

اوپر کی یہ حدیث معیاری نہیں ہے۔ اس لئے ان کا دعویٰ بھی قابل قبول نہیں ہے۔
کیونکہ امام ترمذی اس حدیث کو اپنی کتاب میں نقل کرنے کے بعد آخر میں یوں کہتے ہیں کہ اس کے اسناد میں گفتگو ہے۔ اس لئے کہ حدیث کے معاملے میں مثنی بن صباح ضعیف ہیں۔

580حدثنا محمد بن اسمعيل حدثنا ابراهيم بن موسى حدثنا الوليد بن مسلم عن المثنيين الصباح عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان النبي صلى الله عليه وسلم خطب الناس فقال اَلَا مَنْ وَلِيَ يَتِيماً لَهُ مَالٌ فَلْيَتَّجِرْ فِيهِ وَلَا يَتْرُكْهُ حَتّٰى يَأْكُلَهُ الصَّدَقَةُ قال ابو عيسى وانما روى هذا الحديث من هذا الوجه وفي اسناده مقال لان المثنى بن الصباح يضعف في الحديث وروى بعضهم هذا الحديث عن عمرو بن شعيب ان عمر بن الخطاب فذكر هذا الحديث وقد اختلف اهل العلم في هذاالباب فراى غير واحد من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم في مال اليتيم زكلة منهم عمر وعلي وعائشة وابن عمر وبه يقول مالك والشافعي واحمدا واسحاق وقالت طائفة من اهل العلم ليس في مال اليتيم زكاة وبه يقول سفيان الثوري وعبد الله بن المبارك وعمرو بن شعيب هوابن محمد بن عبدالله بن عمروبن العاص وشعيب قد سمع من جده عبد الله بن عمرو وقد تكلم يحيى بن سعيد في حديث عمرو بن شعيب وقال هو عندنا واه ومن ضعفه فانما ضعفه من قبل انه يحدث من صحيفة جده عبدالله بن عمرو واما اكثر اهل الحديث فيحتجون بحديث عمرو بن شعيب فيثبتو نه منهم احمد واسحاق وغيرهما ۔ اخرجه الترمذي.

یہی حدیث سنن دار قطنی میں حسب ذیل سند سے آتی ہے۔

[1]حدثنا علي بن محمد المصري ثنا الحسن بن غليب الهذلي الازدي ثنا سعيد بن عفير ثنا يحيى بن ايوب عن المثنى عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده عبد الله بن عمرو بن العاص ثم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قام فخطب النا س فقال من ولي يتيما له مال فليتجر له ولا يتركه حتى تاكله الصدقة ۔ سنن الدار قطني ج:2ص109

ملاحظہ ہو کہ اوپر کی یہ حدیث بھی مثنی بن صباح کے حوالے سے ہی آتی ہے۔ اور فن حدیث کے ماہرین ان کے بارے میں جرح کرتے اور خامی بیان کرتے ہیں۔

[1844]المثنى بن الصباح عن عطاء وعمرو بن شعيب حدثنا محمد بن عيسى قال حدثنا عمرو بن علي قال كان يحيى وعبد الرحمن لا يحدثان عن المثنى بن الصباح حدثنا محمد بن زكريا قال حدثنا محمد بن المثنى قال ما سمعت يحيى بن ابي عبد الرحمن حدث عن سفيان عن المثني بن الصباح شيئا قط حدثنا عبد الله بن احمد قال سمعت ابي يقول مثنى بن الصباح لا يسوى حديثه شيئا مضطرب الحديث حدثنا محمد بن زكريا قال حدثنا

الحسن بن شجاع قال حدثنا على قال سمعت يحيى وذكر عنده المثني بن الصباح فقال لم اتركه من اجل حديث عمرو بن شعيب ولكن كان اختلاطا منه او قال فيه حدثنا محمد بن عيسى قال حدثنا ابراهيم بن سعيد الجوهري قال سمعت يحيى بن معين قال كان المثنى بن الصباح رجلا صالحا في نفسه وفي الحديث ليس بذاك وكان من ابناء فارس مات سنة تسع واربعين ومائة حدثنا محمد بن احمد قال حدثنا معاوية بن صالح قال سمعت يحيى قال المثنى بن الصباح ضعيف يكتب حديثه لا يترك . الضعفاء الكبير ج 4 /ص 249

عمرو بن علی کہتے ہیں کہ یحییٰ اور عبد الرحمٰن (جیسے ماہرین حدیث) نے مثنیٰ بن صباح کے حوالے (ذریعہ) سے کوئی حدیث روایت نہیں کی۔ امام احمد کہتے ہیں کہ مثنیٰ بن صباح کی روایتیں ٹھیک نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ روایت کو الٹ پلٹ دیتے اور گڈ مڈ کر دیتے ہیں۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ ان کی یادداشت خراب ہے۔ روایت میں بہت خلط ملط کرتے ہیں۔ اس لئے میں ان کی طرف سے کوئی حدیث روایت نہیں کرتا۔ یحییٰ بن معین وضاحت کرتے ہیں کہ اگرچہ مثنیٰ بن صباح اپنے حد تک (ذاتی طور پر) نیک و صالح ہیں۔ لیکن فن حدیث میں برابر کے آدمی (باوثوق اور قابل بھروسہ) نہیں ہیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ ضعیف ہیں (پھر بھی) ان کی حدیثیں لکھی جا سکتی ہیں۔

[58] د ت ق ابی داود و الترمذی و ابن ماجة المثنی بن الصباح الیمانی الابناوی ابو عبد الله ویقال ابو یحیی المکی اصله من ابناء فارس ... قال اسحاق بن منصور عن بن معین ضعیف۔ وقال بن ابی حاتم سالت ابی ابازرعة عنه فقالا لین الحدیث قال ابی یروی عن عطاء مالم یرو عنه احد وهو ضعیف الحدیث وقال الجوز جانی لا یقنع بحدیثه وقال الترمذی یضعف فی الحدیث وقال النسائی لیس بثقة وقال فی موضع آخر متروك الحدیث ... قال بن سعد وله احادیث وهو ضعیف وقال علی بن الجنید متروك الحدیث وقال الدار قطنی ضعیف ...وقال بن حبان فی الضعفاء...وقال بن عمار ضعیف وقال الساجی ضعیف الحدیث جدا حدث بمناکیر ویطول ذکرها وکان عابدا یهم وقال ابو احمد الحاکم لیس بالقوی عندهم وضعفه ایضا سحنون الفقیه وغیره وذکره العقیلی فی الضعفاء واورد عن علی بن المدینی سمعت یحیی القطان وذکر عنده المثنی فقال لم تترکه من اجل حدیث عمرو بن شعیب ولکن کان اختلاط منه - تهذیب التهذیب ج 10/ص 32

ابن حجر کہتے ہیں کہ امام نسائی، ابوزرعہ، علی بن جنید، دار قطنی، ابن حبان، ابن عمار، ساجی، ابو احمد، ابو حاتم، جوزجانی، ترمذی، ابن سعد، ابن عمار، حاکم، عقیلی، یحییٰ قطان، یحییٰ بن سعید، یحییٰ بن معین وغیرہ نے مثنیٰ بن صباح کو ضعیف قرار دیا ہے۔ تہذیب التہذیب ج 10 / ص 32.

یتیم کے مال میں تجارت کرنے کے متعلق روایت کرنے والے مثنیٰ بن صباح چونکہ ضعیف ہیں، اس لئے اس روایت کو بنیاد بنا کر کوئی حکم نافذ نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری روایت

یتیم کے مال میں تجارت کرنے کے متعلق ایک حدیث مثنیٰ بن صباح کے علاوہ دوسرے ایک راوی کے ذریعے سے بھی وارد ہے۔

2 حدثنا ابو محمد بن صاعد ثنا احمد بن عبید بن اسحاق العطار بالکوفة ثنا ابی (عبید بن اسحاق العطار) ثنا مندل عن ابی اسحاق الشیبانی عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اِحْفَظُوا الْیَتَامٰی فِیْ اَمْوَالِهِمْ لَا تَاْكُلُهَا الزَّكَاةُ-سنن الدار قطنی ج :2ص 110

اس حدیث کی سند میں عبید بن اسحاق اور مندل ہیں۔ یہ دونوں ضعیف ہیں۔

مِندَل کے متعلق تبصرہ

520 د ق ابی داود و ابن ماجة مندل بن علی العتری ابو عبدالله الکوفی یقال اسمه عمرو ومندل لقبه ... وقال عبد الله بن احمد عن ابیه ضعیف الحدیث ... قال بن ابی خیثمة عن بن معین لیس بشیء... وکان البخاری ادخل مندلا فی الضعفاء فقال ابی یحول وسئل ابو زرعة عن مندل فقال لین الحدیث وسئل ابی عن مندل فقال شیخ وقال علی بن الحسین بن الجنید عن محمد بن عبد الله بن نمیر فی احادیثهما بعض الغلط وقال النسائی ضعیف وقال بن عدی له غرائب وافراد وهو ممکن یکتب حدیثه... وقال الجوزجانی واهی الحدیث وقال الحاکم ابو احمد لیس بالقوی عندهم وقال الساجی لیس بثقة روی مناکیر وقال لی بن مثنی کان عبدالرحمن بن مهدی لا یحدث عنه وقال بن قانع والدار قطنی ضعیف وقال بن مثنی کان عبد الرحمن بن مهدی لا یحدث عنه وقال بن قانع والدارقطنی ضعیف وقال بن حبان کان ممن یرفع المراسیل ویسند الموقوفات من سوء حفظه فاستحق الترک وقال الطحاوی لیس من اهل التثبت فی الروایة بشیء ولا یحتج به -تهذیب التهذیب ج 10/ص 264

امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی، بخاری، ابوزرعہ، نسائی، ابن عدی، ابو حسان، جوزجانی، ابواحمد، حاکم، ساجی، عبدالرحمٰن بن مھدی، ابن قانع، دارقطنی، طحاوی وغیرہ نے ان کو ضعیف کہا ہے۔

ابن معین نے ان کے بارے میں ضعیف کہا ہے۔ نیز ثقہ اور قابل بھروسہ کہہ کر متضاد باتیں بھی کہی ہے۔ صرف معاذ بن معاذ اور عجلی نے کہا کہ ان کی روایت کردہ حدیثیں لی جاسکتی ہیں۔ البتہ راوی مندل کے متعلق جرح کرنے والے، ان کی یادداشت کی خرابی، اور دیگر خامیوں کی وجہ سے ہی ضعیف قرار دیتے ہیں۔

مناسب وجہ بتا کر ضعیف قرار دیئے جانے سے اُسی فیصلہ کو ماننا چاہیے۔ اس طرح مندل ضعیف ہونے کی وجہ سے یہ حدیث بھی معتبر نہیں ہے۔ تو اس حدیث کو بنیاد پر کسی حکم کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔

عبید بن اسحاق کے متعلق تبصرہ

مندرجہ بالا حدیث کے سلسلۂ سند میں ایک اور راوی جس کا نام عبید بن اسحاق ہے، یہ بھی ضعیف ہے۔

1505عبيد بن اسحاق العطار كوفي يقال له عطار المطلقات حدثنا ابن حماد ثنا العباس عن يحيى قال عبيد عطار المطلقات قلت له هذه الا حاديث التي يحدث بها باطل قال اتق الله ويحك قلت وهو باطل فسكت وسمعت ابن حماد يقول قال البخاري عبيد العطار هو منكر الحديث -الكامل في الضعفاء ج 5/ص 347

امام بخاری اور یحییٰ نے ان کی روایت کو منکر (رد کیا ہوا) کے درجہ میں شمار کیا ہے۔ان کی بہت سی غلط روایتوں (حدیثوں) کی نشاندہی مناسب حوالوں کے ساتھ "الکامل" میں کی گئی ہیں۔اور مذکورہ بالا حدیث کی سند میں دو ضعیف راویوں کے آجانے کی وجہ سے وہ حدیث بھی دلیل نہیں بن سکتی۔

تیسری روایت

اوپر کی حدیث ایک اور سند سے طبرانی اوسط میں بھی منقول ہے۔

998 حدثنا احمد قال حدثنا عبد العزيز قال حدثنا مندل بن علي عن سليمان عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده عن النبي قال ابتغوا اليتامى فى اموالهم لا تاكلها الزكاة -المعجم الا وسط ج:1ص: 298

اگر چہ اس روایت میں عبید بن اسحاق کا ذکر نہیں ہے۔لیکن مندل بن علی کا نام آیا ہے۔جو کہ ضعیف راوی ہے۔جیسا کہ اس کے متعلق وضاحت کی گئی ہے۔

چوتھی روایت

یتیم کا مال میں تجارت کے متعلق حدیث گذشتہ تین راویوں کے علاوہ دیگر راویوں کے ذریعے سے بھی نقل کی گئی۔

3 حدثنا محمد بن الحسن بن علي البزاز ثنا الحسين بن عبد الله بن يزيد القطان ثنا ايوب بن محمد الوزان ثنا رواد بن الجراح ثنا محمد بن عبيد الله عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فى مال اليتيم زكاة -سنن الدار قطني ج:2ص: 110

اگر چہ یہ حدیث گذشتہ تین ضعیف راویوں کے حوالے سے مروی نہیں ہے۔اس کے باوجود اس کی سند میں محمد بن عبید اللہ العرزمی نامی ایک راوی ہے۔یہ بھی قابل اعتماد شخص نہیں ہے۔

محمد بن عبید اللہ العرزمی کے متعلق تبصرہ

922 محمد بن عبيد الله العرزمي كنيته ابو عبد الرحمن ... وكان صدوقا الا ان كتبه

ذهبت وكان ردی، الحفظ فجعل يحدث من حفظه ويهم فكثر المناكير في روايته تركه بن المبارك ويحيى القطان وابن مهدي ويحيى بن معين -المجروحين ج 2/ص 246

یہ صاحب سچے ہیں۔ ان کی لکھی ہوئی کتابیں ضائع ہوگئیں۔ ان کا حافظہ بہت کمزور ہوگیا تھا۔ وہ اپنی یادداشت سے جو روایت کرتے ان میں اکثر وہم ہوجاتا، اور غلط سلط روایت کردیتے، اس لئے ابن المبارک، یحییٰ القطان، ابن مھدی، یحییٰ بن معین وغیرہ نے ان کو چھوڑ دیا۔

اس لئے اس روایت کو بھی دلیل بنا کر کوئی شرعی حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

پانچویں روایت

یہ روایت سابق چار ضعیف راویوں کو چھوڑ کر ایک اور راوی کے حوالے سے طبرانی اوسط میں منقول ہے۔

4152 حدثنا علی قال نا الفرات بن محمد القيرواني قال نا شجرة بن عيسى المعافری عن عبد الملك بن ابی كريمة عن عمارة بن غزية عن يحيى بن سعيد عن انس بن مالك قال قال رسول الله ﷺ اتجروا فی اموال اليتامی لا تاكلها الزكاة -المعجم الاوسط ج :4ص 264

یہ روایت بھی قابل حجت نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں فرات بن محمد اور عمارہ بن غزیہ دونوں آتے ہیں۔ یہ دونوں بھی قابل بھروسہ نہیں ہیں۔

فرات بن محمد کے متعلق تبصرہ

1319 فرات بن محمد بن فرات العبدی القيروانی ... وقال بن حارث كان يغلب عليه الرواية والجمع ومعرفة الاخبار وكان ضعيفا متهما بالكذب او معروفا به مات سنة اثنتين وتسعين ومائتين -لسان الميزان ج4/ص432

لسان المیزان میں کہا گیا ہے کہ یہ شخص ضعیف کے علاوہ اس پر جھوٹا ہونے کا بھی شک کیا جاتا تھا۔

عمارۃ بن غزیہ کے متعلق تبصرہ

دوسرے راوی عمارہ بن غزیہ کے بارے میں بھی اچھی رائے نہیں ہے۔ یہ بھی قابل اعتماد نہیں، ضعیف ہے۔

1330 عمارة بن غزية حدثنا محمد بن عيسى قال حدثنا صالح حدثنا علی قال قلت لسفيان كنت جالست عمارة بن غزية قال نعم جالسته كم من مرة فلم احفظ عنه شيئا ثم قال لی سفيان ايش روى قلت بن ابی سعيد الخدری عن ابيه قال من سال وله اوقية قال سفيان هذا وحدثنا عن زيد بن اسلم عن عطاء بن يسار. ضعفاء العقيلي ج: 3ص 315

سفیان کہتے ہیں کہ میں عمارہ کے پاس کئی مرتبہ بیٹھ چکا ہوں۔ پھر بھی میں نے کسی حدیث کو یاد نہیں کیا۔ (کیونکہ) ہم نے اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں پائی، جو قابل تعریف ہو۔

بہر حال یتیم کے مال میں تجارت کے متعلق، نبی ﷺ کی طرف منسوب کوئی ایک روایت بھی قابل حجت نہیں ہے۔ اس لئے ان ضعیف روایتوں کی بنیاد پر یہ حکم نہیں لگایا جاسکتا کہ یتیم کے مال کو تجارت میں لگانا چاہیے۔

ان روایتوں کے علاوہ دار قطنی ج ۲/ ۱۱۰، بیہقی ج ۴/ ۱۰۷، اور ۲/ ۶، مسند الشافعی ۱/ ۲۰۴، موطا ۱/ ۲۵۱، مسند عبدالرزاق ۴/ ۶۹، وغیرہ کے حوالوں میں اوپر کی بات (یعنی یتیم کے مال میں تجارت کی بات) حدیث رسول کے بجائے، صرف عمر فاروقؓ کی رائے کی حیثیت سے نقل کی گئی ہے۔

مسلمان کو صرف اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول محمد ﷺ کے قول، فعل، اور تقریر کی پیروی کرنا چاہیے۔ چونکہ دوسروں پر وحی نازل نہیں ہوتی، اس لئے کسی کی رائے اور بات کو خالص اسلام میں شرعی حکم کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔

چھٹی روایت

یتیم کے مال کے بارے میں ایک اور روایت آتی ہے۔ جس کو امام بیہقی نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔

[7130]اخبرنا ابو زکریا بن ابی اسحاق المزکی فی آخرین قالوا ثنا ابو العباس محمد بن یعقوب انبأ الربیع بن سلیمان أنبأ الشافعی أنبأ عبد المجید عن بن جریج عن یوسف بن ماھک أن رسول اللہ ﷺ قال ابتغوا فی مال الیتیم أوفی أموال الیتامی لا تذھبھا أو لا تستھلکھا الصدقة وھذا مرسل إلا ان الشافعی رحمه اللہ أکده بالا ستدلال بالخبر الاول وبما روی عن الصحابة رضی اللہ عنھم فی ذلك وقد روی عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده مرفوعا .سنن البیھقی الکبری ج4ص107

اس روایت کے تمام راوی قابل اعتماد اور ثقہ ہیں۔ لیکن امام بیہقی خود کہتے ہیں کہ اس سلسلہ سند میں ایک راوی چھوٹ گئے ہیں۔ یہ حدیث مُرسَل (ضعیف قسم کی) ہے۔ بہر کیف فریق مخالف کی دی پیش کردہ پہلی دلیل قابل قبول نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم نے اس کے متعلق کل چھ روایتوں کی بھی تحقیق کر کے ثابت کر دیا کہ ان میں کوئی بھی صحیح اور قابل حجت نہیں ہے۔

حدیث میں "ہر سال" کا ذکر نہیں

اوپر ذکر ہو چکا کہ فریق مخالف کی پیش کردہ پہلی دلیل قابل قبول نہیں ہے۔ اس کے باوجود ایک دعویٰ کے طور پر یتیم کے مال میں تجارت کے متعلق حدیث کو اگر قابل قبول مان بھی لیا جائے پھر بھی فریق

مخالف اس حدیث سے اپنا دعویٰ ثابت کر ہی نہیں سکتا کہ ہر سال زکاۃ دینا چاہیے۔
اوپر کی ضعیف حدیث میں صرف یہ بات بتائی گئی ہے کہ زکاۃ یتیم کا مال کھا جائے گی۔
اس عبارت میں غور کیجئے کہ سالانہ، یا سال بہ سال یا ہر سال جیسے الفاظ نہیں ہیں۔ یعنی ہر سال زکاۃ دینے سے یتیم کا مال خالی ہو جائے گا۔ حدیث میں اس قسم کے الفاظ نہیں ہیں۔ بہر حال سال بہ سال یا ہر سال کے الفاظ انہوں نے اپنی طرف سے داخل کر دیئے ہیں۔
اگر وہ یہ دعویٰ کریں کہ سالانہ زکاۃ دیتے رہنے سے یتیم کا مال خالی ہوتا ہے۔ تو ہم بھی اس طرح دعویٰ کریں گے ماہانہ زکاۃ دیتے رہنے سے یتیم کا مال اور تیزی سے ختم ہوتا جائے گا۔ اس لئے یتیم کے مال میں ماہانہ زکاۃ دینا چاہیے۔ اگر اس طرح دعویٰ کریں، تو فریق مخالف کے پاس اس کے لئے کوئی قابل قبول جواب نہیں ہے۔
ایک شخص اس طرح بھی دعویٰ کر سکتا ہے کہ یہ حدیث ہر ہفتہ زکاۃ دینے کے متعلق خبر دیتی ہے۔ کیونکہ یہ جملہ "زکاۃ یتیم کا مال کھا جائے گی" جو ہے، ہفتہ وار زکاۃ دیتے رہنے سے مطابقت رکھتا ہے۔ ایک اور شخص اسی حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے یہ بھی دعویٰ کر سکتا ہے کہ روزانہ زکاۃ دینا چاہیے۔ اور کوئی آدمی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ جس طرح روزانہ پانچ وقت نماز فرض ہے اسی طرح روزانہ پانچ وقت زکاۃ دینا بھی فرض ہے۔
سمجھنے کی بات یہ ہے کہ ماہانہ، ہفتہ وار، روزانہ، روزانہ پنچ وقتہ وغیرہ جس طرح حدیث کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ اپنی طرف سے داخل کئے گئے ہیں۔ اسی طرح سالانہ، یا سال بہ سال، یا ہر سال کے الفاظ بھی حدیث کے نہیں ہیں۔ بلکہ اپنی طرف سے داخل کردہ ہیں۔
ہم یہ بات ایک دعویٰ اور اس کی مزید وضاحت کے لئے ہی ذکر کرتے ہیں۔
درحقیقت بنیادی بات یہی ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ یہ بات بار بار دہرانے کی وجہ یہ ہے کہ مخالف رائے رکھنے والے حضرات ہماری بنیادی باتوں کو نظر انداز کر کے چھوڑ دیتے ہیں۔ اور ان باتوں کو مضبوط پکڑ کر تفصیلی بحث کر کے تردید کرتے ہیں، جن کو ہم بطور مثال اور تقویت کے لئے ذکر کرتے ہیں!؟
اس لئے فریق مخالف کا یہ اولین فریضہ ہے کہ وہ یتیم کے مال میں تجارت کے متعلق بتائے کہ وہ حدیث ضعیف نہیں ہے۔ یہی وہ اصل کام ہے جسے انہیں کر گزرنا چاہیے۔

یتیموں پر ظلم

ہم یہ بتا چکے ہیں کہ اس حدیث کے راویوں میں ضعف پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ

حدیث میں سال بہ سال یا ہر سال یا سالانہ کے الفاظ نہیں آئے، اس سے بھی زیادہ غور طلب بات یہ ہے کہ اس حدیث کا نفس مضمون، اسلامی احکام سے میل نہیں کھاتا۔

یتیم کو یتیم اس وقت تک ہی کہیں گے، جب تک کہ وہ سنِ بلوغت کو نہ پہونچے، اسلامی شریعت کے مطابق نابالغ کا کوئی بھی معاہدہ قابلِ قبول نہیں، جس کا فریق مخالف بھی اعتراف کرتا ہے۔ یتیم کے مال میں تجارت کرنے، اور اس کے مال کو تجارت میں لگانے کے لئے اس کی اجازت ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے: تم لوگ یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ۔ مگر اس طریقہ سے جو بہتر ہو، یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے۔ اور عہد کو پورا کرو۔ بے شک عہد کے بارے میں باز پرس ہوگی (بنی اسرائیل: آیت نمبر-34)۔

چونکہ یتیم سوچ سمجھ کر اجازت دینے کی عمر میں نہیں ہے، اس لئے اس کے نگران کو اس بات کا حق نہیں ہے کہ وہ اس کا مال تجارت میں لگائے۔ اس وجہ سے بھی اوپر کی حدیث مزید ضعیف قرار پاتی ہے۔ یہ بات بھی ہم مزید وضاحت کے لئے ہی کہتے ہیں۔ اس موقع پر بھی یاد دلانا چاہتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ فریق مخالف وضاحت کے نام سے ادھر اُدھر بھٹک کر گول مول اور مبہم جواب دے کر ہماری بنیادی بات کو نظر انداز کر دے۔

تجارت میں فائدہ اور نقصان کا احتمال ہے۔ اس لئے یتیم کے مال کو تجارت میں لگائے بغیر یوں ہی محفوظ رکھا جائے، تو ان کے دعویٰ کے مطابق زکاۃ دے کر رفتہ رفتہ ختم ہونے کے لئے کئی سال لگیں گے۔ لیکن اگر اس مال کو تجارت میں لگا دیں، اور نقصان ہو جائے تو صرف ایک ماہ بلکہ ایک ہی دن میں یتیم کا مال ختم ہو جائے گا۔

نیز فریق مخالف کے دعویٰ کے مطابق زکاۃ دیتے دیتے، مال میں کمی ہو کر آخر اس حد تک پہونچ جائے گا، جس پر زکاۃ دینا فرض نہیں ہے۔ یعنی جب مال نصاب زکاۃ سے کم ہو کر رہ جائے گا اس وقت کم از کم وہ مال تو یتیم کے پاس باقی رہ جائے گا، لیکن اگر وہ تجارت میں لگا دیا جائے اور نقصان ہو جائے، تو آخر ایسی حالت آئے گی کہ یتیم کے لئے مال ومتاع کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ یہ ضعیف حدیث بتاتی ہے کہ فرمانِ رسولؐ کے مطابق یتیم کا مال زکاۃ دیتے رہنے سے خالی ہو جائے گا۔

لیکن مخالف رائے رکھنے والوں کے دعویٰ کے مطابق سال میں ایک مرتبہ زکاۃ دیتے رہنے سے بھی ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ ایک موقع پر سارا مال ختم ہو جائے۔ فرض کیجئے کہ ایک سال کا بچہ یا نوزائیدہ بچہ یتیم ہو گیا، اس کے مال کی نگرانی اس کا کفیل اور ذمہ دار کرے گا۔ تو وہ یتیم کے بالغ ہونے تک ہی یعنی اکثر و بیشتر پندرہ (۱۵) سال تک اس کے مال کی حفاظت ونگہداشت کرے گا۔ اب اس کے مال میں ڈھائی فیصد زکاۃ کا حساب لگائیں گے۔

اس طرح سے ایک کفیل، یتیم کے ایک لاکھ روپے مالیت کی نگرانی کر رہا ہے، فریق مخالف کے دعویٰ کے مطابق سالانہ ڈھائی فیصد زکاۃ دینا چاہیے۔ یعنی ایک لاکھ روپے میں 2500 روپے بطور زکاۃ دینا چاہیے، اور باقی مال 97,500 روپے میں سے آیندہ سال ڈھائی فیصد زکاۃ دینا چاہیے۔ اس طرح بطور زکاۃ 2437 روپے اور 50 پیسے دینا چاہیے۔ نوزائیدہ یتیم بچہ، بالغ ہونے تک یعنی 15 سال ہونے تک اسی طرح اس کا کفیل زکاۃ نکالتا رہے، تو زیادہ سے زیادہ 31,598 روپے ہی بطور زکاۃ دینا پڑے گا۔ جب کہ 68,402 روپے ضرور باقی رہیں گے۔

اگر اس حساب سے دیکھا جائے، تو اس بات کا امکان ہی نہیں ہے کہ زکاۃ یتیم کا مال کھا جائے گی۔ یا زکاۃ دیتے دیتے یتیم کا مال ختم ہو جائے گا جیسا کہ اوپر کی ضعیف حدیث میں بتایا گیا ہے۔

چونکہ اللہ کے نبی ﷺ اس طرح کا نامناسب اور غیر معقول دعویٰ نہیں فرما سکتے۔ اس لئے یہ حدیث اور بھی زیادہ ضعیف ہو جاتی ہے۔ یہ بات بھی ہم نے مزید وضاحت کے لئے کہی ہے۔ بنیادی بات (ہمارا دعویٰ) تو یہی ہے کہ اوپر (یتیم کے مال میں تجارت) کی حدیث ضعیف ہے۔ اس کا جواب دینا ہی ان پر فرض ہے۔

علاوہ ازیں یتیم کے مال میں خیانت کرنے والوں کو ایک موقع مل جائے گا۔ یعنی یتیم سن بلوغت کو پہنچ کر ہوش میں آئے، تو اس کا ذمہ دار یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے تیرے مال میں تجارت کی۔ لیکن سب نقصان ہو گیا۔ آپ جانتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ اس طرح خیانت کرنے کا موقع فراہم نہیں کر سکتے۔ اس لحاظ سے اوپر کی وہ حدیث اور بھی زیادہ (حد درجہ) ضعیف قرار پاتی ہے۔

2- دو سال کی زکاۃ پیشگی وصول

جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ کسی چیز میں اگر ایک بار زکاۃ دیدی جائے، پھر بھی ہر سال زکاۃ دیتے رہنا چاہیے، وہ اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے ذیل کی حدیث کو بھی بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عمرؓ کو زکاۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ تو وہ حضرت عباسؓ کے پاس جاکر ان کے مال کی زکاۃ طلب کرتے ہیں۔ ان سے حضرت عباسؓ نے سخت کلامی کی۔ اس لئے حضرت عمرؓ واپس آکر نبی ﷺ کو اس بات کی خبر دی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ: عباسؓ نے اس سال کی زکاۃ اور آیندہ سال کی زکاۃ وقت سے پہلے ہی پیشگی دیدی ہے۔

مذکورہ بالا قول کے ساتھ چند حدیثیں، چند کتب احادیث میں پائی جاتی ہیں۔ ان کو دلیل بنا کر فریق مخالف دعویٰ کرتا ہے کہ زکاۃ دی ہوئی چیز میں بھی، ہر سال زکاۃ دیتے رہنا چاہیے۔ ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ چونکہ ہر سال زکاۃ دینا ضروری ہے، اس لئے اللہ کے نبی ﷺ نے دو سال کی زکاۃ پیشگی لے لی تھی۔

آیئے اب ہم تفصیل کے ساتھ بحث کریں گے کہ کیا یہ حدیث قابل اعتبار ہے؟ اور اگر یہ دلیل قابل قبول مان بھی لی جائے، تو پھر یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس حدیث میں ان کے دعوے کے لئے کہاں تک گنجائش ہے؟ مختصر یہ کہ مذکورہ بالا مفہوم، معنیٰ اور مطلب میں ایک روایت بھی صحیح نہیں ہے۔ اس کے متعلق تفصیل یوں ہے۔

پہلی روایت

[6]حدثنا احمد بن محمد بن سعید ثنا محمد بن عبید بن عتبہ ثنا ولید بن حماد ثنا الحسن بن زیاد عن الحسن بن عمارۃ عن الحکم عن موسی بن طلحۃ عن طلحۃ ان النبیﷺ قال یا عمر اما علمت ان عم الرجل صنو ابیہ انا کنا احتجنا الی مال فتعجلنا من العباس صدقۃ مالہ لسنتین اختلفوا عن الحکم فی اسنادہ والصحیح عن الحسن بن مسلم مرسل۔سنن الدار قطنی ج2ص124

مذکورہ بالا حدیث کے سلسلۂ سند میں حسن بن عمارہ نامی ایک راوی ہے جو کہ ضعیف ہے۔

[532]خت ت ق البخاری فی التعالیق والترمذی وابن ماجۃ الحسن بن عمارۃ بن المضرب البجلی مولاھم الکوفی ابو محمد کان علی قضاء بغداد فی خلافۃ المنصور ... قال النضر بن شمیل عن شعبۃ افادنی الحسن بن عمارۃ سبعین حدیثا عن الحکم فلم یکن لھا اصل ...وقال

الطيالسي قال شعبة ائت جرير بن حازم فقل له لا يحل لك ان تروی عن الحسن بن عمارة فانه يكذب قال ابو داود فقلت لشعبة ما علامة ذلك قال روى عن الحكم اشياء فلم نجدلها اصلا... عن احمد متروك الحديث وكذا قال ابو طالب عنه وزاد قلت له كان له هوى قال ولكن كان منكر الحديث واحاديثه موضوعة لا يكتب حديثه وقال مرة ليس بشيء، وقال بن معين لا يكتب حديثه وقال مرة ضعيف وقال مرة ليس حديثه بشيء، وقال عبد الله بن المديني عن ابيه ما أحتاج الى شعبة فيه امره ابين من ذلك قيل له كان يغلط فقال اى شيء، كان يغلط كان يضع وقال ابو حاتم ومسلم والنسائي والدار قطني متروك الحديث۔ تهذيب التهذيب ج2/ص263

شعبہ کہتے ہیں کہ حسن بن عمارہ نے حکم کے نام سے ستر (70) حدیثیں روایت کی ہیں، جن کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (بلکہ سب بے بنیاد ہیں۔ غور کیجئے کہ اوپر کی یہ حدیث بھی حکم کے ذریعہ ہی مروی ہے)۔ نیز شعبہ نے جریر بن حازم سے کہا کہ حسن بن عمارہ سے روایت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ جھوٹا ہے۔ احمد بن حنبل نے کہا کہ ان کی حدیثیں چھوڑ دینا چاہیے کیونکہ وہ موضوع (من گھڑت) ہیں۔ اور ان کی روایتوں کو لکھنے کی بھی ضرورت نہیں۔ اور ابن معین نے بھی یہی کہا ہے۔ عبداللہ بن مدینی، ابوحاتم، مسلم، نسائی، اوروار قطنی وغیرہ نے کہا کہ ان کی حدیثیں چھوڑ دینا چاہیے۔ تھذیب التھذیب جلد 2/ص نمبر 263.

راوی حسن کے متعلق جھوٹے ہونے کا شبہ ہے، اس کی طرف سے روایت کردہ حدیث قابل قبول نہیں۔ اس کی بنیاد پر یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ ایک چیز میں اگرچہ ایک بارزکاۃ دے دیجائے پھر بھی اس میں ہر سال زکاۃ دینا چاہیے۔

دوسری روایت

[7158]... ورواه محمد بن عبيد الله هو العرزمي عن الحكم عن مقسم عن بن عباس فی قصة عمرو العباس رضی الله عنهما ورواه الحسن بن عمارة عن الحكم عن موسى بن طلحة عن طلحة ورواه هشيم عن منصور بن زاذان عن الحكم عن الحسن بن مسلم عن النبی ﷺ مرسلا انه قال لعمر رضی الله عنه فی هذه القصة إنا كنا قد تعجلنا صدقة مال العباس لعامنا هذا عام أول وهذا هو الأصح من هذه الروايات وروی عن علی رضی الله عنه من وجه آخر مرفوعا (فيه انقطاع) ۔ سنن البيهقي الكبرى ج: 4ص: 111

دوسال کی زکاۃ پیشگی لینے کے معنی ومطلب کی اس روایت میں بھی حسن بن عمارہ کا نام آتا ہے، جو حکم سے روایت کرتا ہے۔ ان کی روایتیں موضوع (من گھڑت) ہونے کی وجہ سے چھوڑ دینا چاہیے۔ جیسا کہ اس کے بارے میں ذکر ابھی اوپر گذرا۔

علاوہ ازیں اس سند میں محمد بن عبیداللہ عرزمی نام ایک راوی ہے۔ یہ بھی ضعیف ہے۔

اس کے متعلق مکمل وضاحت صفحہ نمبر 24 میں (یتیم کے مال میں زکاۃ کے متعلق چوتھی روایت) میں ہو چکی ہے۔ اس لئے یہ حدیث سابق حدیث سے بھی زیادہ ضعیف ہے۔

تیسری روایت

مذکورہ بالا مفہوم میں گذری ہوئی دو روایتوں کے علاوہ ایک اور روایت بھی ہے۔

[7]حدثنا محمد بن أحمد بن عمرو بن عبد الخالق ثنا إبراهيم بن محمد بن نائلة الأ صبهاني ثنا محمد بن المغيرة ثنا النعمان بن عبد السلام عن محمد بن عبيد الله (العرزمي) عن الحكم عن مقسم عن بن عباس قال بعث رسول الله ﷺ عمر ساعيا قال فأتى العباس يطلب صدقة ماله قال فأغلظ له العباس فخرج الى النبي ﷺ فاخبره قال فقال رسول الله ﷺ ان العباس قد أسلفنا زكاة ماله العام والعام المقبل. سنن الدار قطني ج 2ص124

ملاحظہ ہو کہ اس سلسلہ سند میں محمد بن عبید اللہ عرزمی نامی ایک راوی ہے، جو کہ ضعیف ہے۔ اس کے بارے میں تبصرہ صفحہ نمبر 24 میں گذر چکا۔ اس لئے یہ حدیث نا قابل اعتبار ہونے کی وجہ سے اُسے دلیل بنا کر کوئی شرعی حکم نافذ نہیں کیا جا سکتا۔

چوتھی روایت

[8]حدثنا محمد بن مخلد ومحمد بن جعفر المطيري قالا نا أبو خراسان محمد بن أحمد بن السكن ثنا موسى بن داود ثنا مندل بن علي عن عبيدالله عن الحكم وقال المطيري عن عبيدالله عن الحكم عن مقسم عن بن عباس أن رسول الله ﷺ بعث عمر على الصدقة فرجع وهو يشكو العباس فقال انه منعني صدقته فقال رسول الله ﷺ يا عمر أما علمت أن عم الرجل صنو أبيه ان العباس أسلفنا صدقة عامين في عام كذا قال عن عبيدالله بن عمر وانما أراد محمد بن عبيدالله وهو العرزمي والله أعلم . سنن الدار قطني ج 2ص124

دو سال کی زکاۃ پیشگی لینے کے متعلق دار قطنی کی اس سند میں عبید اللہ عرزمی ہے۔ یہ راوی ضعیف ہے۔ اس کے علاوہ مندل بن علی نامی راوی بھی ہے۔ اس راوی کے ضعیف ہونے کے بارے میں صفحہ نمبر 23 میں وضاحت گذر چکی ہے۔

بہر حال دو ضعیف راویوں کی بناء پر یہ حدیث حد درجہ ضعیف ہو جاتی ہے۔ اس لئے یہ بھی قابل حجت نہیں۔

پانچویں روایت

اوپر گذرے ہوئے راویوں کے علاوہ دوسرے راویوں کے حوالوں سے بھی یہ حدیث منقول ہے۔ جیسا کہ امام طبرانی نے اپنی کتاب معجم میں نقل کیا ہے۔

[1000]حدثنا احمد قال حدثنا محرزبن عوف قال حدثنا محمد بن ذكوان عن منصور عن ابراهيم عن علقمة عن عبد الله قال قال رسول الله ﷺان عم الرجل صنو ابيه وان النبي تعجل من العباس صدقة عامين في عام۔ المعجم الأوسط ج1ص299

[9985]حدثنا احمد بن داود المكي ثنا ابو عون الزيادي ثنا محمد بن ذكوان عن منصور عن ابراهيم عن علقمة عن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ ان عم الرجل صنو ابيه وان النبي ﷺتعجل من العباس صدقة عامين في عام .المعجم الكبير ج10ص72

مذکورہ بالا دو سندوں میں ایک راوی محمد بن ذکوان ہے۔اب اس کے متعلق تبصرہ جان لیجئے۔

[1618]محمد بن ذكوان مولى الجهاضم بصري حدثني آدم قال سمعت البخاري قال محمد بن ذكوان مولى الجهاضم منكر الحديث ---الضعفاء الكبير ج 4/ص 65

امام بخاری نے کہا کہ اس کی حدیثیں رد کی ہوئی ہیں۔اس لئے فریق مخالف، دو سال کی زکاۃ پیشگی لینے کے متعلق اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے اس ضعیف حدیث کو بطور دلیل پیش نہیں کر سکتا۔

چھٹی روایت

مذکورہ بالا قول کی تائید دوسری سند سے بھی کی جاتی ہے۔ جیسے امام بیہقی نے اپنی کتاب سنن الکبریٰ میں نقل کیا ہے۔

[7159]اخبرنا ابو نصر بن قتادہ أنبأ ابو علي الرفاء ثنا محمد بن يونس الكديمي ثنا وهب جرير ح و اخبرنا ہ محمد بن الحسين بن الفضل القطان أنبأ عبدالله بن جعفر ثنا يعقوب بن سفيان ثنا عيسى بن محمد ثنا وهب بن جرير ثنا أبي قال سمعت الأعمش يحدث عن عمرو بن مرة عن ابي البختري عن علي رضي الله عنه فذكر قصة في بعث رسول الله ﷺ عمر رضي الله عنه ساعيا ومنع العباس صدقته وأنه ذكر للنبي ﷺما صنع العباس فقال أما علمت يا عمر ان عم الرجل صنو ابيه ان كنا احتجنا فاستسلفنا العباس صدقة عامين لفظ حديث القطان وفي رواية بن قتادة ان النبيﷺ تعجل من العباس صدقة عام أو صدقة عامين وفي هذا ارسال بين ابي البختري وعلي رضي الله عنه وقد ورد هذا المعنى في حديث ابي هريرة من وجه ثابت عنه -سنن البيهقي الكبرى ج4ص111

اس سلسلہ سند کے تمام راوی اگر چہ ثقہ اور قابل بھروسہ ہیں، لیکن اس سند کے ایک راوی ابوالبختری ہیں جو علیؓ سے روایت کرتے ہیں۔حالانکہ ابوالبختری کی ملاقات علیؓ سے نہیں ہوئی۔اور انہوں نے اُن سے روایت نہیں کی۔اس کا خود بیہقی نے حدیث کے آخر میں ذکر کیا ہے۔چنانچہ ان دو راویوں کے درمیان تعلق نہ ہونے کی وجہ سے یہ حدیث بھی بے شک ضعیف اور نا قابل اعتبار ہے۔

امام بیہقی نے اس حدیث کے آخر میں یوں کہا کہ دو سال کی زکاۃ پیشگی دینے کے مفہوم

میں ایک ثابت شدہ حدیث ہے، جسے امام بخاری اور مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔

اس کے متعلق ہمارا جواب یہ ہے کہ اگرچہ وہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں منقول ہے، لیکن وہ حدیث مذکورہ بالا معنی ومطلب ہرگز نہیں دیتی۔ اس کے متعلق ہم صفحہ نمبر 35 میں صحیح حدیث کے خلاف کے عنوان میں وضاحت کریں گے۔

ساتویں روایت

اوپر گذرے ہوئے راویوں کے علاوہ دوسرے راویوں کے ذریعہ ایک اور روایت حدیث سنن دار قطنی میں منقول ہے۔

9حدثنا عبدالله بن محمد بن عبد العزيز ثنا عبد الله بن عمر بن أبان ثنا ابو داود عن شريك عن اسماعيل عن سليمان الأحول عن ابى رافع ان النبى ﷺ بعث عمر ساعيا فكان بينه وبين العباس شيء فقال النبى ﷺ أما علمت ان عم الرجل صنو ابيه ان العباس أسلفنا صدقة العام عام الأول .سنن الدار قطني ج 2ص125

اس کی سند میں ایک راوی اسماعیل مکی ہے۔ یہ بھی ضعیف ہے۔ ان روایتوں کے علاوہ مسند ابویعلی میں بھی یہ حدیث مروی ہے۔

638حدثنا حميد بن مسعدة حدثنا يوسف بن خالد حدثنا الحسن بن عمارة عن الحكم بن عتيبة وحبيب بن ابى ثابت عن موسى بن طلحة عن ابيه ثم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان تعجل صدقة العباس بن عبد المطلب سنتين .مسند ابى يعلى ج:2ص:12

اس کی سند میں ایک راوی حسن بن عمارہ ہے۔ یہ بھی ضعیف ہے، جیسا کہ اس کی وضاحت صفحہ نمبر 30 میں ہو چکی ہے۔

اس طرح سے مذکورہ بالا قول، مسند ابویعلی کے علاوہ مسند بزار میں بھی پایا جاتا ہے۔

1482وحدثنا الحسن بن يحيى قال نا محمد بن عون ابو عون قال نا محمد بن ذكوان عن منصور عن ابراهيم عن علقمة عن عبدالله ان النبى تعجل من العباس صدقة سنتين وهذا الحديث انما يرويه الحفاظ عن منصور عن الحكم بن عتيبة مرسلا ومحمد بن ذكوان هذا لين الحديث قد حدث باحاديث كثيرة لم يتابع عليها .مسند البزار ج:4ص:303

بزار کی اس روایت میں محمد بن ذکوان نامی ایک راوی ہے یہ بھی ضعیف ہے۔ جس کی وضاحت صفحہ نمبر 33 ہو چکی ہے۔

علاوہ ازیں اسی مسند بزار میں مذکورہ بالا مفہوم ہی کی ایک اور روایت بھی ملتی ہے۔ جس کی سند میں ایک راوی وہی حسن بن عمارہ ہے۔ جو کہ ضعیف ہے۔ اس کے متعلق صفحہ نمبر 30 میں تبصرہ ہو چکا ہے۔

مذکورہ بالا مفہوم میں یعنی دو سال کی زکاۃ پیشگی دینے کے متعلق حدیث مسند احمد،

حاکم، ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد جیسی حدیث کی کتابوں میں منقول ہے۔ اس حدیث کے ایک راوی ھشیم کبھی حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں جو کہ صحابی ہیں۔ اور کبھی کبھار علیؓ کے بجائے حسن بن مسلم سے روایت کرتے ہیں جو صحابی نہیں ہیں۔ اس طرح ھشیم کی بیان کردہ سند میں تضاد پایا جاتا ہے۔

اس تضاد بیانی کے متعلق امام دار قطنی اور ابوداؤد وغیرہ نے تحقیق کرنے کے بعد فیصلہ سنایا کہ صحیح سند تو وہی ہے جسے ھشیم نے حسن بن مسلم سے روایت کی ہے جو کہ غیر صحابی ہیں۔ یعنی ان ائمہ کا کہنا ہے کہ اس روایت کو صحابی (علیؓ) کی طرف منسوب کرنا غلط ہے۔ اس کی تفصیل کتاب ''تلخیص'' میں موجود ہے۔ اس طرح سے ایک غیر صحابی براہ راست اللہ کے رسول سے حدیث بیان کرے، تو وہ قابل قبول نہیں ہے۔

بہرحال دو سال کی زکاۃ پیشگی دینے کے متعلق ایک حدیث بھی قابل حجت نہیں ہے۔ اس لئے ان ضعیف حدیثوں کی بنیاد پر کوئی حتمی اور قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے بل بوتے پر کوئی شرعی حکم نافذ نہیں کیا جاسکتا۔

صحیح حدیث کے خلاف

دو سال کی زکاۃ وقت سے پہلے وصول کرنے کے متعلق احادیث، کبھی راوی ضعیف ہونے کی وجہ سے، اور کبھی سلسلہ سند منقطع ہونے کی وجہ سے، اور اس کے علاوہ صحیح حدیث کے خلاف ہونے کی بناء پر گھٹتے اور گرتے ہوئے موضوع (من گھڑت) روایت کی حیثیت پر اتر جاتی ہیں۔

ان ضعیف و موضوع احادیث کے مقابل میں اب صحیح حدیث ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت ابوہریرۃؓ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عمرؓ کو زکاۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ (اسوقت) حضرت عباسؓ نے زکاۃ دینے سے انکار کردیا، اس کے متعلق اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ان کی زکاۃ کا ذمہ مجھ پر ہے، اس کے ساتھ اس کے برابر کا ایک اور حصہ دینا بھی میرا ذمہ ہے۔ (یعنی عباسؓ کی زکاۃ اور اتنی ہی اور، میرے ذمہ ہے) حوالہ: صحیح مسلم، حدیث نمبر: 1634 اور صحیح بخاری کی روایت (حدیث نمبر: 1468) میں اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: ان کی زکاۃ اور اتنا ہی اور، ان پر فرض ہے۔

اس روایت میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ اور حدیث کے الفاظ پر غور کیجئے۔ تو پتہ چلے گا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے عباسؓ سے دو سال کی زکاۃ وصول نہیں کیا بلکہ ان پر عائد شدہ زکاۃ اور اس کے برابر کا ایک حصہ ہی وصول کیا ہے۔

الفاظ حدیث پر ایک سرسری نظر دوڑائیے۔ تو ایک عام آدمی بھی یہ جان لے گا کہ زکاۃ دینے سے انکار کرنے پر اللہ کے نبی ﷺ نے زکاۃ کے ساتھ ایک حصہ مزید وصول کیا ہے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ ایک شخص دس روپے دینا چاہیے۔ لیکن وہ دینے سے انکار کرے، تو مالک اس وقت اس کے بجائے بیس روپے کا مطالبہ کرے، تو ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ یہ حق ادائیگی کا انکار کرنے پر سزا دی جارہی ہے۔ یعنی حقدار کو اس کا پیسہ دس روپیہ دینے سے انکار کرے، تو وہ سزا کے طور پر مزید دس روپے کا جرمانہ عائد کردیتا ہے۔

صحیح بخاری کی شرح فتح الباری میں ابن حجرؒ نے اس کے متعلق جو بات بتائی ہے، اس کو یہاں ذکر کرنا موزوں اور مناسب معلوم ہوتا ہے۔

قوله فهي عليه صدقة ومثلهامعها۔۔فعلى الرواية الاولى يكون صلى الله عليه وسلم ألزمه بتضعيف صدقته ليكون ارفع لقدره وأنبه لذكره وأنفى للذم عنه فالمعنى فهي صدقة ثابتة عليه سيصدق بها ويضيف اليها مثلها كرما ودلت رواية مسلم على أنه صلى الله عليه وسلم إلتزم باخراج ذالك عنه لقوله فهي عليّ وفيه تنبيه على سبب ذلك وهو قوله ان العم صنو الأب تفضيلا له وتشريفا۔فتح الباري ج:3ص:333

اللہ کے نبی ﷺ نے ان کی زکاۃ دوگنا اس لئے لازم ٹھہرایا تاکہ وہ اپنی قدر و منزلت کے اعتبار سے اونچی ہو، اس کا ذکر کرنے سے بات سمجھ جائے اور اپنے اوپر غلط الزام لگنے سے روکے۔ اس کا معنی و مطلب یہ ہے کہ انہیں اُن پر عائد شدہ زکاۃ ادا کردینی چاہیے۔ اسی طرح ایک اور ایک حصہ فیاضانہ سلوک کرتے ہوئے بطور صدقہ دینا اور بخشش کرنا چاہیے۔

ابن حجرؒ نے اس عبارت میں وضاحت کردی کہ زکاۃ اور اس کے برابر ایک اور حصہ جو دیا گیا، وہ دو سال کی زکاۃ کے طور پر نہیں، بلکہ ایک سال کی زکاۃ کے ساتھ ساتھ فیاضانہ سلوک کرتے ہوئے، اس زکاۃ کی مقدار کے برابر کا ایک اور حصہ صدقہ و خیرات کے طور پر ہی دیا گیا۔

حضرت عباسؓ زکاۃ دینے سے انکار کرنے کا واقعہ بخاری اور مسلم میں ایک اور طریقہ سے بیان ہوا ہے۔ یہ روایت قابل اعتبار ہے۔ البتہ دوسری کتابوں میں یہی واقعہ دوسرے طریقے سے بیان ہوا ہے، وہ قابل اعتبار نہیں۔ اس لئے دو سال کی زکاۃ پیشگی (وقت سے پہلے) وصول کرنے کے متعلق ضعیف حدیث، ثابت شدہ صحیح حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے موضوع (من گھڑت) روایت کی حد تک نیچے اتر جاتی ہے۔

کیا وقت سے پہلے زکاۃ لی جاسکتی ہے؟

حضرت عباسؓ کے پاس دو سال کی زکاۃ وقت سے پہلے لینے کے متعلق بتایا گیا کہ وہ حدیث قابل حجت نہیں ہے۔ چنانچہ اس حدیث کو بطور دلیل پیش کرنے والوں کا دعویٰ باطل ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی وجوہات کی بناء پر وہ حدیث مزید ضعیف ہوجاتی ہے۔

فریق مخالف کی رائے کے مطابق زکاۃ دی ہوئی چیز میں سے بھی زکاۃ ہر سال باقاعدہ دینا چاہیے۔ اگر یہ بات مان بھی لی جائے، پھر بھی دو سال کی زکاۃ وقت سے پہلے حاصل کرنا واقعی بہت مشکل کام ہے بلکہ نہ ممکن بات ہے۔ کیونکہ زکاۃ لوگوں کے سروں کو گنتی کرکے مقررہ رقم وصول کرنے کا نام نہیں، بلکہ آدمی کے مال کا حساب لگاکر، اس کے مطابق وصول کرنے کا نام ہے۔

فریق مخالف کے دعویٰ کے مطابق آدمی سے اس سال کی زکاۃ وصول کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ اس کے پاس امسال جو مال و دولت ہے، اس کا حساب کرنا ممکن ہے۔ اس حساب سے وصول بھی کیا جاسکتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس کے پاس آیندہ سال کتنا مال و متاع رہے گا؟ امسال ہی اس کا حساب کرنا کیا یہ ممکن ہے؟

نیز ان لوگوں کے دعویٰ کے مطابق زکاۃ دینے کے لئے مال آنے کے بعد مالک کے اختیار میں ایک سال تک رہنا ضروری ہے۔ مال و دولت میں ایک سال مکمل ہونے پر ہی ان کی رائے کے مطابق زکاۃ فرض ہے۔ اس لحاظ سے آیندہ سال کی زکاۃ آیندہ سال مکمل ہونے پر ہی فرض ہوتی ہے۔ اس کے بارے میں ہمارا سوال یہ ہے کہ جب اگلا سال مکمل ہی نہ ہو، اور ابھی اس کی زکاۃ وصول کریں، تو کیا یہ بے انصافی اور ظلم نہیں ہے؟

اس حقیقت کو ایک مثال کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ امسال ایک شخص کے مال کا حساب لگانے پر پانچ لاکھ روپئے کا اندازہ لگایا گیا۔ تو کیا ہم اس سے امسال کی زکاۃ کے ساتھ آیندہ سال کے لئے بھی اسی پانچ لاکھ روپئے کے حساب سے زکاۃ وصول کرنا صحیح اور مناسب ہے؟ ہوسکتا ہے کہ آیندہ سال آنے سے پہلے ہی اس کے پاس موجود پانچ لاکھ روپئے سب ختم اور خالی ہوجائیں، تو اس سے بطور زکاۃ جو وصول کیا گیا، کیا وہ بے انصافی اور ظلم نہیں ہے؟

یا ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ایک سال گذرنے سے پہلے ہی مالک کا انتقال ہوجائے، تو

فریق مخالف کے دعویٰ کے مطابق وہ اس سال کی زکاۃ دینے کی ضرورت نہیں۔ جب معاملہ ایسا ہو، تو وقت سے پہلے ہی بطور اڈوانس جو زکاۃ وصول کی گئی، وہ انصاف پر مبنی کیسے ہو سکتی ہے؟ اس ضعیف حدیث کی بنیاد پر دعویٰ کرنے والے اس فریق مخالف کے پاس، اگر کوئی شخص آنے والے دس سال کی زکاۃ لا کر دے، تو کیا وہ اس کو قبول کرے گا؟ بہت ممکن ہے کہ اس کے مال میں دس سال میں ہزار درجہ اضافہ ہو جائے، یا سارا ہی مال ومتاع برباد ہو جائے، یا وہ خود مر جائے، تو پیشگی زکاۃ دینے سے جو بے انصافی اور زیادتی ہو جاتی ہے، اس کی تلافی کس طرح کی جائے گی؟ جب اس پہلو پر غور کیا جائے تو مزید یقین ہو جائے گا کہ دو سال کی زکاۃ وقت سے پہلے وصول کرنے کی بات درحقیقت فرضی کہانی اور افسانہ کے سوا کچھ نہیں۔

بہر حال ہمارے موقف کی مخالفت کرنے والے، ہماری ان باتوں کو جن کو ہم نے محض تقویت کے لئے ذکر کیا ہے، ان کے متعلق فلسفہ بیان کرنے کی بجائے یہ ثابت کر دکھانا چاہیے کہ اوپر کی [دو سال کی زکاۃ کے متعلق] حدیث صحیح ہے؟ نیز اُن لوگوں کو اس بات کا بھی جواب دینا چاہیے کہ بخاری اور مسلم کی روایت کردہ حدیث کی حیثیت کیا ہے؟

3. ایک سال مکمل ہونے تک زکاۃ فرض نہ ہونے کی حدیث

جو لوگ زکاۃ دی ہوئی چیز میں ہر سال زکاۃ دینے کے قائل ہیں۔ وہ اپنی بات کو ثابت کرنے کے لئے ایک اور دلیل پیش کرتے ہیں۔

572 حدثنا يحيى بن موسى حدثنا هارون بن صالح الطلحي المدني حدثنا عبد الرحمن بن زيد بن اسلم عن ابيه عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مَنْ اِسْتَفَادَ مَالًا فَلَا زَكَاةَ عَلَيْهِ حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ عِنْدَ رَبِّهِ وفي الباب عن سراء بنت نبهان الغنوية. اخرجه الترمذي.

عبد اللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی مال سے فائدہ اٹھائے، تو اس پر زکاۃ نہیں جب تک سال نہ گذرے۔ یعنی جو شخص فائدہ کی چیز حاصل کرے، تو اس کو پانے کے بعد ایک سال ہونے تک اس چیز پر زکاۃ فرض نہیں ہے۔

حوالہ: جامع الترمذی، حدیث نمبر: 572۔

فریق مخالف اس حدیث کو دلیل میں پیش کرتا ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ اس کی سند میں ایک راوی عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم ہے۔ اس کے متعلق خود امام ترمذی نے دوسری حدیث کے اختتام پر ضعیف کہا ہے۔ اور انہوں نے اس بات کا بھی ذکر کیا ہے کہ احمد بن حنبل اور علی بن

مدینی وغیرہ نے بھی اس کو ضعیف شمار کیا ہے۔

نیز اس مفہوم کی حدیث امام بیہقی نے اپنی کتاب سنن الکبریٰ میں نقل کیا ہے۔

7066 اخبرنـا علی بن محمد بن بشران ومحمد بن الحسین بن الفضل القطان ببغدادقالا أنبأ أبو عمر و عثمان بن احمدبن السماك ثنا محمد بن عبیدالله بن أبی داود ثنا أبو بدر شجاع بن الولید ثنا حارثة بن محمد عن عمرة عن عائشة رضی الله عنها قالت سمعت رسول الله صلى الله علیه وسلم یقول لا زكاة فی مال حتی یحول علیه الحول و كذلك رواه أبو معاویة وهریم بن سفیان وأبو كدینة عن حارثة مرفوعا ورواه الثوری عن حارثة موقوفا علی عائشة وحارثة لا یحتج بخبره والا عتماد فی ذلك علی الآثار الصحیحة فیه عن أبی بكر الصدیق رضی الله عنه وعثمان بن عفان وعبد الله بن عمر وغیرهم رضی الله عنهم ۔ سنن البیهقی الكبری ج 4/ص95

یہ روایت بیہقی کے علاوہ دار قطنی اور ابن ماجہ میں بھی منقول ہے۔

3 حدثنا أبو طلحة احمد بن محمد بن عبد الكریم ثنا نصر بن علی ثنا شجاع بن الولید عن حارثة بن محمد ح و حدثنا ابراهیم بن دبیس بن احمد الحداد ثنا محمد بن عبیدالله بن المنادی ثنا ابو بدر ثنا حارثة ح وحدثنا احمد بن كامل ثنا محمد بن سعد العوفی ثنا ابو بدر نا حارثة ح وحدثنا علی بن عبد الله بن مبشر ثنا علی بن احمد الجواربی ثنا اسحاق بن منصور حدثنا هریم عن حارثة عن عمرة عن عائشة قالت قال رسول الله صلى الله علیه وسلم لیس فی المال زكاة حتی یحول علیه الحول قال نصر لازكاة فی مال وقال الباقون لیس فی المال زكاة۔ سنن الدار قطنی ج2/ص90

1782 حدثنا نصربن علی الجهضمی حدثنا شجاع بن الولید حدثنا حارثة بن محمد عن عمرة عن عائشة قالت سمعت رسول الله صلى الله علیه وسلم یقول لا زكاة فی مال حتی یحول علیه الحول۔اخرجه ابن ماجة

ان سلسلہ اسناد میں ایک راوی حارثہ بن محمد ہے، جس کے متعلق امام بیہقی نے کہا کہ اس کی روایتیں قابل بھروسہ نہیں ہیں۔ چنانچہ یہ حدیث بھی ضعیف ہونے کی وجہ سے، اس کی بنیاد پر تعمیر شدہ فریق مخالف کا دعویٰ بھی منہدم ہو جاتا ہے۔

اس کے باوجود مذکورہ بالا مفہوم ہی کی ایک اور حدیث دار قطنی میں مندرج ہے۔

5حدثنا الحسن بن الخضر المعدل بمكة حدثنا اسحاق بن ابراهیم بن یونس ثنا محمد بن سلیمان الأسدی ثنا حسان بن سیاه عن ثابت عن أنس ان رسول الله صلى الله علیه وسلم قال لیس فی مال زكاة حتی یحول علیه الحول۔ سنن الدارقطنی ج2/ص91

سنن دار قطنی کی اس سند میں ایک راوی حسان بن سیاہ ہے، یہ بھی ضعیف ہے۔ البتہ ابوداؤد میں ایک روایت آئی ہے جسے شیخ ناصر الدین البانی نے صحیح کہا ہے۔

ابوداؤد کی روایت جسے شیخ البانی نے صحیح کہا ہے

1342حدثنا عبد الله بن محمد النفيلي حدثنا زهير حدثنا ابو اسحاق عن عاصم بن ضمرة و عن الحارث الاعور عن علي رضي الله عنه قال زهير احسبه عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال ها توا ربع العشور من كل اربعين درهما درهم وليس عليكم شيء حتى تتم مائتي درهم فاذا كانت مائتي درهم ففيها خمسة دراهم فما زاد فعلى حساب ذلك وفي الغنم في اربعين شاة شاة فان لم يكن الا تسع وثلاثون فليس عليك فيها شيء وساق صدقة الغنم مثل الزهري قال وفي البقر في كل ثلاثين تبيع وفي الاربعين مسنة وليس على العوامل شيء وفي الابل فذكر صدقتها كما ذكر الزهري قال وفي خمس وعشرين خمسة من الغنم فاذا زادت واحدة ففيها ابنة مخاض فان لم تكن بنت مخاض فابن لبون ذكر الى خمس وثلاثين فاذا زادت واحدة ففيها بنت لبون الى خمس واربعين فاذا زادت واحدة ففيها حقة طروقة الجمل الى ستين ثم ساق مثل حديث الزهري قال فاذا زادت واحدة يعني واحدة وتسعين ففيها حقتا ن طروقتا الجمل الى عشرين ومائة فان كانت الابل اكثر من ذلك ففي كل خمسين حقة ولا يفرق بين مجتمع ولا يجمع بين مفترق خشية الصدقة ولا توخذ في الصدقة هرمة ولا ذات عوار ولا تيس الا ان يشاء المصدق وفي النبات ما سقته الانهار او سقت السماء العشر وما سقي الغرب ففيه نصف العشر وفي حديث عاصم والحارث الصدقة في كل عام قال زهير احسبه قال مرة وفي حديث عاصم اذا لم يكن في الابل ابنة مخاض ولا ابن لبون فعشرة دراهم او شاتان حدثنا سليمان بن داود المهري اخبرنا ابن وهب اخبرني جرير بن حازم وسمى اخر عن ابي اسحاق عن عاصم بن ضمرة والحارث الاعور عن علي رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم ببعض اول هذا الحديث قال فاذا كانت لك مائتا درهم وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم وليس عليك شيء يعني في الذهب حتى يكون لك عشرون دينارا فاذا كان لك عشرون دينارا وحال عليها الحول ففيها نصف دينار فما زاد فبحساب ذلك قال فلا ادري اعلي يقول فبحساب ذلك او رفعه الى النبي صلى الله عليه وسلم وليس في مال زكاة حتى يحول عليه الحول الا ان جريرا قال ابن وهب يزيد في الحديث عن النبي صلى الله عليه وسلم ليس في مال زكاة حتى يحول عليه الحول ۔ اخرجه ابوداود

یہ روایت حدیث ابوداؤد کے علاوہ بیہقی ۴/۹۵، ۴/۱۳۷ میں بھی منقول ہے، جب شیخ ناصر الدین البانی نے دیکھا کہ اس سند کے تمام روای قابل اعتبار ہیں، تو فوراً کہہ دیا کہ یہ حدیث صحیح اور قابل حجت ہے۔ حالانکہ اس کی سند میں دو نقص اور عیب پائے جاتے ہیں جن کی طرف انہوں نے توجہ نہیں کی۔

اس لئے اس روایت کے متعلق تفصیل کے ساتھ سمجھانے کی ضرورت ہے۔ اس

روایت کا سلسلہ سند یوں ہے (۱) علیؓ (۲) حارث الاعور ۔اور۔ عاصم بن ضمرہ، (۳) ابو اسحاق، (۴) زھیر، (۵) عبداللہ بن محمد نفیلی۔

یعنی عبداللہ بن محمد نفیلی، زھیر سے روایت کرتے ہیں۔ اور وہ اسحاق سے روایت بیان کرتے ہیں۔ اور وہ حارث الاعور اور عاصم بن ضمرہ دونوں سے حدیث بیان کرتے ہیں، اور یہ دونوں علیؓ سے روایت کرتے ہیں۔ علیؓ سے سن کر روایت کرنے والے ان دونوں میں حارث الاعور بڑا جھوٹا ہے۔ اس کو چھوڑ دینا چاہیے۔ جبکہ دوسرے راوی عاصم بن ضمرہ کو شیخ البانی نے قابل اعتبار سمجھا۔ جس کی بناء پر اس سلسلہ سند کو صحیح کہا ہے۔

عاصم بن ضمرہ کے متعلق تبصرہ

عاصم بن ضمرہ اگرچہ ثقہ ہیں پھر بھی اُن پر جرح کی گئی ہے۔ اور وہ بھی معقول وجوہات کے ساتھ۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

[1754]عاصم بن ضمرة السلولي الكوفي يروى عن علي عليه السلام قال ابن عدي ينفرد عن علي باحاديث باطلة لا يتابعه الثقات عليها والبلية منه وقال ابن حبان كان ردىء الحفظ فاحش الخطأ يرفع عن علي قوله كثيرا فلما فحش ذاك منه استحق الترك وقال يحيى بن معين وهو ثقة ۔ الضعفاء والمتروكين لا بن الجوزی 69/2

719عاصم بن ضمرة السلولي من اهل الكوفة يروى عن علي روى عنه الحكم بن عتيبة وابو اسحاق السبيعي كان ردىء الحفظ فاحش الخطأ يرفع عن علي قوله كثيرا فلما فحش ذالك فی روايته استحق الترك على انه احسن حالا من الحارث سمعت الحنبلي يقول سمعت احمد بن زهير يقول سئل يحيى بن معين أيما أحب اليك الحارث عن علي او عاصم بن ضمرة عن علي قال عاصم بن ضمرة. المجروحين 125/2

عاصم بن ضمرة انما يذكر فی الشو اهد فاذا انفرد بحديث لم يقبل ثم اسند عن احمد بن حنبل انه قال فيه حديث لا يصح واخرج بن ابی شيبة نحوه عن الحسن وابن المسيب وعطاء وابراهيم النخعي. نصب الراية 63/2

اما حديث علي رضي الله عنه فاخرجه ابو داود فی سننه من طريق بن وهب اخبرنی جرير بن حازم وسمى آخر عن ابی اسحاق عن عاصم بن ضمرة والحارث الاعور عن علي عن النبي عليه السلام قال اذا كانت لك مائتا در هم وحال عليها الحول ففيها خمس در اهم وليس عليك شیء يعنی فی الذهب حتى يكون لك عشرون دينارا فاذا كانت لك عشرون دينارا وحال عليها الحول ففيها نصف دينار فمازاد فبحسابها ذلك قال فلا ادری اعلی يقول فبحساب ذلك اورفعه الى النبي عليه السلام وليس فی مال زكاة حتى يحول عليه الحول انتهى قال ورواه شعبة وسفيان وغيرهما عن ابی اسحاق عن عاصم عن علي ولم يرفعوه

انتهي وفيه عاصم والحارث فعاصم وثقه بن المديني وابن معين والنسائي وتكلم فيه بن حبان وابن عدي فالحديث حسن قال النووي رحمه الله في الخلاصة وهو حديث صحيح أوحسن انتهي ولا يقدح فيه ضعف الحارث لمتابعة عاصم له وقال عبد الحق في احكامه هذا حديث رواه بن وهب عن جرير بن حازم عن ابي اسحاق عن عاصم والحارث عن علي فقرن ابو اسحاق فيه بين عاصم والحارث والحارث كذاب وكثير من الشيوخ يجوز عليه مثل هذا وهو ان الحارث اسنده وعاصم لم يسنده فجمعهما جرير وادخل حديث احدهما في الا خر وكل ثقة رواه موقوفا فلو ان جريرا اسنده عن عاصم وسند ذلك اخذنا به وقال غيره هذا لايلزم لان جريرا ثقة وقد اسند عنهما انتهي وهو في مسند احمد عن عاصم بن ضمره عن علي مرفوعا ليس في مال زكاة حتي يحول عليه الحول انتهي وليس من رواية احمد. نصب الراية 328/2

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عاصم بن ضمرہ اگرچہ ثقہ ہیں، لیکن اُن کی یاداشت خراب ہوگئی تھی روایت کرتے وقت واضح طور پر غلطیاں کر جاتے۔ خاص طور پر حضرت علیؓ بات کو نبی ﷺ کی طرف منسوب کر دیا کرتے تھے۔ اور وہ علیؓ سے ایسی باطل حدیثیں بیان کرتے تھے جن کو اُن سے دوسرے ثقہ اور قابلِ بھروسہ راویوں نے بیان نہیں کیا۔ اس سے پتہ چلا کہ یہ شاذ قسم کی ضعیف روایت ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل نے کہا کہ ان کی حدیث صحیح نہیں۔ اور ابن حبان نے کہا کہ ان کی روایتیں قابلِ اعتبار نہیں ہیں، اُن کو چھوڑ دینا چاہیے۔

اس لئے البانی کا یہ کہنا کہ یہ روایت صحیح اور قابلِ حجت ہے، صحیح نہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات قطعیت کے ساتھ ذکر نہیں کہ مذکورہ بالا قول حضرت علیؓ کی اپنی ذاتی رائے ہے۔ یا وہ اللہ کے نبی ﷺ سے سن کر روایت کرتے ہیں؟ البتہ راوی زہیر نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ علیؓ، اللہ کے نبی سے روایت کرتے ہیں۔ یہ جملہ حدیث کے شروع ہی میں موجود ہے۔ اس طرح سے زہیر کا جو کہنا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ علی، اللہ کے نبی سے سن کر روایت کرتے ہیں۔ یہ محض ان کا گمان ہے، کیونکہ چوتھے راوی زہیر کی ملاقات پہلے راوی حضرت علیؓ سے نہیں ہوئی۔

محض گمان کی بنیاد پر یہ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ یہ روایت اللہ کے نبی ﷺ سے مروی ہے۔ اگر یہ قول واقعی اللہ کے نبی ﷺ کا ہے، تو حضرت علیؓ اسے پوری طرح واضح لفظوں میں کہنا چاہیے۔ لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ چوتھے راوی زہیر، محض گمان سے کہتے ہیں۔ اس لئے یہ قول، حدیثِ رسول کے درجہ کو نہیں پہونچتا۔ اسے حدیث نہیں کہیں گے۔ بہرحال اس سند کے تمام راوی ثقہ اور قابلِ بھروسہ ہونے کے باوجود یہ قول حضرت علیؓ ہی کا ہے۔ اس لئے اس روایت کو بھی دلیل بنا کر کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔

4. زکاۃ ہر سال بھی۔۔۔

جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ کسی چیز کی زکاۃ دے دی جائے، پھر اس پر ایک سال گذر جائے، تو دوبارہ اس چیز کی زکاۃ دینا چاہیے۔ اس طرح ہر سال زکاۃ دیتے رہنا چاہیے۔ وہ اپنا دعویٰ ثابت کرنے کیلئے ایک اور حدیث بھی پیش کرتے ہیں۔

عبد اللہ بن معاویہ الغاضری سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: تین باتیں ہیں، جو کوئی ان کو کرے گا، وہ ایمان کا مزہ پائے گا۔ (۱) لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنے کے بعد صرف اللہ کی عبادت کرے، (۲) اور اپنے مال کی زکاۃ خوش دلی سے ہر سال ادا کرے، (۳) اور بوڑھیا، خارشی، بیمار اور بری (ردی) قسم کے جانور نہ دے، بلکہ متوسط (درمیانی اور بیچ کا) مال دے۔

یہ حدیث بیہقی ۴/۹۵ کے علاوہ، طبرانی صغیر اور ابوداؤد میں منقول ہے۔ فریق مخالف اس حدیث کو بہت ہی قابل اعتماد گردانتا ہے۔ حالانکہ مذکورہ بالا تینوں روایتیں ضعیف ہیں۔

بیہقی کی روایت

7067 واخبرنا ابو الحسين بن الفضل القطان ببغداد (حمزة بن احمد بن مخلد) أنبأ عبد الله بن جعفر بن درستويه ثنا يعقوب بن سفيان ثنا اسحاق بن ابراهيم (بن العلاء بن الضحاك الزبيدى المعروف بزبريق) حدثني عمرو بن الحارث (الزبيدى الحمصي) حد ثني عبد الله بن سالم عن الز بيدى قال حدثني يحيى بن جابر ان عبد الرحمن بن جبير حدثه ان اباه حدثه ان عبد الله بن معاوية الغاضرى حدثهم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ثلاث من فعلهن فقد طعم طعم الايمان من عبد الله وحده فانه لا اله الا الله واعطى زكلة ماله طيبة بها نفسه رافدة عليه في كل عام . ولم يعط الهرمة ولا الدرنة ولا الشرط اللائمة ولا المريضة ولكن من اوسط اموالكم فان الله عز وجل لم يسألكم خيره ولم يامركم بشره وزكى عبد نفسه فقال رجل ماتزكية المرء نفسه يا رسول الله قال يعلم ان الله معه حيث ما كان وقال غيره ولا الشرط اللئيمة . السنن الكبرى للبيهقي ج: 4ص:95

اس کی سند میں ایک راوی اسحاق بن ابراہیم ہے۔ ان کے بارے میں ابن حجرؒ لکھتے ہیں۔

[406] بخ البخارى فى الادب المفرد اسحاق بن ابراهيم بن العلاء بن الضحاك بن المهاجر ابو يعقوب الحمصى الزبيدى المعروف بابن زبريق روى عن عمرو بن الحارث الحمصى وبقية بن الوليد وابى مسهر وغيرهم روى عنه البخارى فى الادب ونسبه الى جده وابو

حاتم والذهلي ويعقوب الفسوي وعثمان بن سعيد الدارمي و ابو اسماعيل الترمذي ويحيى بن عمرو بن المصري وجماعة قال ابو حاتم شيخ لا باس به ولكنهم يحسدونه سمعت يحيى بن معين أثني عليه خيرا وقال النسائي ليس بثقة وقال بن يونس عن بن رازح عن عمارة بن وثيمة توفي بمصر لثمان بقين من رمضا ن سنة 238 قلت وعلق البخاري في قيام الليل حديثا للزبيدي هو من رواية اسحاق هذا عن عمرو بن الحارث الحمصي وصله الطبراني وغيره وروى الآجري عن ابي داود ان محمد بن عون قال ما اشك ان اسحاق بن زبريق يكذب ،وذكره بن حبان في الثقات . تهذيب التهذيب ج1/ص189

ابن معین نے ان کی تعریف کی ہے۔اس کے باوجود نسائی نے کہا کہ یہ راوی ثقہ اور قابل اعتبار نہیں ہے۔اور محمد بن عون نے یہاں تک کہہ دیا کہ اسحاق بن ابراھیم کے جھوٹا ہونے کے بارے میں مجھے ذرا بھی شک نہیں (یعنی مجھے پکا یقین ہے کہ وہ سچا آدمی نہیں ہے)۔

اگرچہ اسحاق بن ابراھیم کو بعض نے اچھا کہا ہے۔پھر بھی اس کے متعلق دوسروں نے وضاحت کردی کہ یہ پکا جھوٹا ہے۔تو فن حدیث کا تسلیم شدہ اصول ہے کہ جرح کو تعدیل پر مقدم رکھنا چاہیے۔ یعنی نقص کو خوبیوں سے آگے رکھنا چاہئے۔ اور یہ صحیح فیصلہ بھی ہے۔اس لحاظ سے نقص کو آگے رکھ کر دیکھیں گے تو روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا کہ یہ راوی اسحاق بن ابراھیم پکا جھوٹا ہے۔اس لئے اس نتیجہ ہی پر پہنچنا چاہیے کہ یہ راوی بے شک ضعیف ہے۔

تحقیق کی مذکورہ بالا سند میں اسحاق بن ابراھیم کے علاوہ ایک راوی عمرو بن حارث ہے۔

[20]بخ د البخاري الادب المفرد وابي داود عمرو بن الحارث بن الضحاك الزبيدي الحمصي عداده في الكلاعيين روى عن عبد الله بن سالم الاشعري وعنه اسحاق بن ابراهيم بن العلاء بن زبريق ومولا ته علوة ذكره بن حبان في الثقات قلت تقدم في ترجمة اسحاق بن ابراهيم الراوي عنه شيء يتعلق بتعاليق البخاري وقال الذهبي لا تعرف عدالته -تهذيب التهذيب ج8/ص13

عمرو بن حارث کے متعلق کوئی وضاحت نہیں ملتی۔ چنانچہ ذھبی نے کہا کہ ان کی عدالت، دیانت داری، اور راست بازی ثابت نہیں ہے۔ جب یہ معلوم ہی نہ ہو کہ یہ راوی قابل اعتبار ہے یا نہیں،تو ایسی حالت میں مذکورہ بالا حدیث اور بھی ضعیف قرار پاتی ہے۔

طبرانی صغیر کی روایت

555حدثنا علي بن الحسن بن معروف الحمصي حدثنا ابو تقي عبد الحميد بن ابراهيم

حدثنا عبد الله بن سالم بن محمد بن الوليد الزبيدي حدثنا يحيى بن جابر الطائي ان عبد الرحمن بن جبير بن نفير حدثه ان اباه حدثه ان عبد الله بن معاوية الغاضري رضي الله عنه حدثهم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ثلاث من فعلهن فقد ذاق طعم الايمان من عبد الله عز وجل وحده بانه لا اله الا هو واعطى زكاة ماله طيبة بها نفسه في كل عام ولم يعط الهرمة ولا الدرنة ولا المريضة ولكن من اوسط اموالكم فان الله عز وجل لم يسألكم خيرها ولم يامركم بشرها وزكى نفسه فقال رجل ماتزكية النفس فقال ان يعلم ان الله عز وجل معه حيث ما كان لا يروى هذا الحديث عن بن معاوية الا بهذا الاسناد ولا نعرف لعبد الله بن معاوية الغاضري حديثا مسندا غير هذا -المعجم الصغير ج:1ص:334

امام طبرانی کی کتاب معجم صغیر میں درج کی گئی یہ روایت حدیث بھی ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں ابوتقی عبدالحمید بن ابراہیم ہیں۔

[41]عبد الحميد بن ابراهيم الجضرمي الحمصي ابو تقي... صاحب محمد بن الوليد الزبيدي روى عنه محمد بن عوف نا عبد الرحمن قال سألت محمد بن عوف الحمصي عنه فقال كان شيخا ضريرا لا يحفظ وكنا ونكتب من نسخه لذى كان عند اسحاق بن زبريق لا بن سالم فنحمله اليه ونلقنه فكان لا يحفظ الاسنا د ويحفظ بعض المتن فيحدثنا و انما حملنا الكتاب عنه شهوة الحديث لا ...وليس هذا عندي بشيء رجل لا يحفظ وليس عنده كتب -الجرح والتعديل ج6/ص8

جن کے متعلق ابوحاتم نے کہا کہ یہ بوڑھے آدمی تھے۔ آنکھوں کی روشنی اور بصارت چلی گئی۔ اوران کی یادداشت بھی ختم ہوگئی۔ میرے نزدیک ان کا کوئی اعتبار نہیں (الجرح والتعدیل۔جلد۶،صفحہ۸)۔

بعض علماء نے کہا کہ مندرجہ بالا تین روایتوں میں طبرانی صغیر کی یہ روایت ہی صحیح ہے۔ لیکن فن حدیث کے ماہرین نے ابوتقی عبدالحمید کوضعیف کہا ہے۔

اس لئے جو علماء دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے، وہ اس حدیث کی سند میں موجود ابوتقی عبدالحمید پر کئے گئے تبصرہ کا جواب دینے کے بعد ہی اپنا دعویٰ پیش کریں۔ لیکن ہم نے مناسب وجہ بیان کر کے وضاحت کردی کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ جب تک سند اور حدیث یاد نہ ہونے کی علت باقی رہے گی، اس وقت تک یہ روایت باقاعدہ ضعیف ہے۔ اس لئے ہمارے فیصلے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

ابوداؤد کی روایت

1349قال ابو داود وقرات في كتاب عبد الله بن سالم بحمص عند آل عمرو بن الحارث الحمصي عن الزبيدي قال اخبرني يحيى بن جابر عن جبير بن نفير عن عبد الله بن معاوية الغاضري من غاضرة قيس قال قال النبي صلى الله عليه وسلم ثلاث من فعلهن فقد طعم طعم الايمان من عبد الله وحده وانه لا اله الا الله واعطى زكاة ماله طيبة بها نفسه رافدة عليه كل عام ولا يعطى الهرمة ولا الدرنة ولا المريضة ولا الشرط اللئيمة ولكن من وسط اموالكم فان الله لم يسألكم خيره ولم يامركم بشره-اخرجه ابو داود

ابوداؤد کی روایت کردہ اس حدیث میں بھی دو خامیاں ہیں۔(۱) پہلی خامی یہ ہے کہ اس کی سند میں راویوں کے درمیان انقطاع ہے۔جیسا کہ اس کی طرف امام منذری نے بھی اشارہ کیا ہے۔

یعنی امام ابوداؤد نے اس راوی کا نام ذکر نہیں کیا، جن سے یہ حدیث روایت کی ہے۔بلکہ اصل راوی سے روایت کرنے کے بجائے یوں کہتے ہیں کہ عمرو بن حارث کے گھر والوں کے پاس (یعنی ان کے گھرانے میں) عبداللہ بن سالم کی کتاب تھی۔میں نے اس میں پڑھا ہے۔آگے حدیث کا ذکر ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ امام ابوداؤد نے عبداللہ بن سالم کے ہاتھوں لکھی ہوئی حدیث کی کتاب ،خود ان ہی (یعنی عبداللہ بن سالم ہی) کے روبرو حاضر ہو کر ان کے سامنے نہیں پڑھی۔بلکہ کہتے ہیں کہ عمرو بن حارث کے گھر والوں کے پاس پڑھی۔

نیز ابوداؤد کے قول میں صراحت نہیں ہے کہ عمرو بن حارث کے گھر والوں سے مراد کون ہیں؟ان کی عدالت اور امانت داری کس قسم کی ہے؟کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ عبداللہ بن سالم کی لکھی ہوئی کتاب کا نام لیں اور بتائیں کسی اور کی کتاب!

عام طور پر گھر والوں میں ماں، باپ، بھائی، بہن اور بیوی، بچے سب شامل ہیں۔ چونکہ یہ ثابت نہیں ہوا کہ عمرو بن حارث کے گھر والوں سے مراد کون ہیں، ان کی عدالت و دیانت داری کیسی ہے، اس لئے یہ روایت ضعیف ہے۔

اس کے علاوہ عمرو بن حارث کے گھر والے (یا خاندان) کہے جانے میں خود عمرو بن حارث ہی کی عدالت، دیانت داری اور راست بازی ثابت نہیں ہوئی۔جیسا کہ صفحہ نمبر 44 میں گذر چکا ہے۔

تو جس شخص کی دیداری، سچائی اور عدالت ثابت نہ ہو، ایسے شخص ہی کے خاندان کے

متعلق ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے ان کے خاندان میں جو کتاب تھی، اس میں پڑھا۔ بالفاظ دیگر ابوداؤد کا اس طرح کہنا ہی اس روایت کے ضعف کو نمایاں کرتا ہے۔

بہر حال مذکورہ بالا تینوں حدیثوں کی حالت یہی ہے۔ اور ضعیف حدیث کو دلیل بنا کر، دین کا ایک اہم فریضہ اور مالی عبادت کا فیصلہ کرنا، کسی بھی طرح انصاف پر مبنی نہیں۔

(۲) اور ابوداؤد کی اس روایت میں موجود دوسری خامی یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے عبداللہ بن معاویہ الغاضری روایت کرتے ہیں۔ درحقیقت رسول ﷺ سے صحابی کو روایت کرنا چاہیے۔ جبکہ یہ راوی صحابی نہیں غیر صحابی ہیں۔ اگرچہ بعض کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ یہ صحابی ہیں۔ لیکن معلوم ہونا چاہیے کہ صحابی کے لئے جو معیار قائم کیا گیا، اس پر یہ راوی پورے نہیں اترتے۔ اور وہ معیار ان پر صادق نہیں آتا۔

یعنی کسی شخص کے صحابی ہونے کا فیصلہ کرنے کے لئے ضروری شرط یہ ہے کہ (۱) وہ صحابی کے نام سے معروف ومشہور ہونا چاہیے۔ لیکن اس راوی کا نام صرف اس ایک حدیث میں پایا جاتا ہے۔ اور اس کے سوا دوسری روایتوں میں کہیں بھی ان کا نام ونشان نہیں ملتا۔ مختصر یہ کہ عبداللہ بن معاویہ غاضری، صحابی رسول کی حیثیت سے جانے پہچانے ہوئے نہیں تھے۔ وہ صحابی کے نام سے معروف ومشہور نہیں تھے۔

صحابی اللہ کے رسول سے سن کر روایت کرتے ہیں۔ اس لئے (۲) "میں نے اللہ کے نبی ﷺ سے سنا" جیسے الفاظ استعمال کر کے حدیث بیان کرنا چاہیے۔ جبکہ یہ راوی اس حدیث میں "میں نے نبی ﷺ سے سنا" جیسے الفاظ استعمال کر کے روایت کرنے کے بجائے صرف یہ کہتے ہیں کہ "اللہ کے رسول ﷺ فرمایا"۔ اس معیار کے مطابق بھی اس راوی کا صحابی ہونا ثابت نہیں ہوا۔

ان دونوں کے علاوہ ایک تیسری صورت بھی ہے۔ وہ یہ کہ (۳) کوئی صحابی یا تابعی، اس راوی کے متعلق صحابی ہونے کا اقرار کرے۔ لیکن کسی نے بھی اس راوی کو صحابی قرار نہیں دیا ہے۔

بہرکیف راوی کے صحابی ہونے کا فیصلہ کرنے کے لئے ابھی جو معیار بتایا گیا، وہ تدریب جلد نمبر 2 اور صفحہ نمبر 672 میں موجود ہے۔ اس معیار کے مطابق یہ راوی (عبداللہ بن معاویہ غاضری) کا صحابی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اس کے باوجود بعض کتابوں میں ان کو صحابی کہا گیا ہے، بڑی حیرت کی بات ہے۔ ہمیں سمجھ میں نہیں آیا کہ کس دلیل اور ثبوت کی بناء پر ایسا کہا گیا؟

فریق مخالف بہت سی خامیوں والی حدیث کو ثبوت میں پیش کر کے اپنا دعویٰ ثابت کرنا چاہتا ہے۔ یعنی جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ زکاۃ دی ہوئی چیز میں ہر سال زکاۃ دیتے رہنا چاہیے۔

وہ اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے خامیوں سے پاک، اور قابل حجت دلیل نہیں پیش کر سکتے۔

جب ان لوگوں نے دیکھا کہ کمزور دلائل سب کے سب، ایک کے بعد ایک گرتے چلے گئے۔ کوئی دلیل بھی اس قابل نہ رہی کہ جس سے حجت قائم کی جائے، تو وہ لوگ بے جوڑ اور بے تعلق حدیثوں کو پیش کر کے، ان میں ذاتی رائے داخل کر کے اپنے موقف کو سنبھالنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

5. حضرت ابوبکر کے دور خلافت میں.......

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے دور خلافت میں چند لوگ زکاۃ دینے سے انکار کر رہے تھے۔ تو اس وقت ابوبکر ؓ نے کہا کہ اگر وہ لوگ زکاۃ میں چار ماہ (کی بکری کے) بچے کو دینے سے بھی انکار کریں، جسے وہ رسول اللہ ﷺ کو دیتے تھے، تو میں ان سے لڑوں گا۔

(حوالہ: صحیح بخاری 1400, 1457, 6924, 7285)

فریق مخالف اس حدیث کو بھی بطور دلیل پیش کرتا ہے۔ اور یہ روایت ثابت شدہ بھی ہے۔ لیکن اس میں ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا جس سے وہ اپنا دعویٰ ثابت کر سکے۔

اب دیکھئے کہ وہ اپنا دعویٰ کس طرح پیش کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ جملہ "رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دیتے تھے یا دے رہے تھے" جو کہ استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی اس جملہ میں زکاۃ مسلسل دیتے آ رہے تھے کا معنیٰ اور مفہوم پایا جاتا ہے۔ اور اگر زکاۃ صرف ایک بار دی جاتی تو حضرت ابوبکرؓ "وہ لوگ دے آ رہے تھے" کے الفاظ کیونکر استعمال کرتے؟

یہ دعویٰ جہالت کی انتہاء ہے۔ کیونکہ رسول ﷺ کے زمانے میں زکاۃ مسلسل دیا کرتے تھے، یہ بات سچی اور پکی ہے۔ البتہ زکاۃ ایک آدمی پر ایک بار فرض ہے کہنے جانے سے اس کا تسلسل منقطع ہوتا ہے۔ یعنی ایک آدمی پر زندگی بھر میں ایک مرتبہ زکاۃ فرض ہے کہا جائے، تبھی تو زکاۃ دیتے رہنے کا یہ سلسلہ ختم ہوگا۔ اس قسم کا دعویٰ تو ہمارا نہیں ہے جس کی بناء پر زکاۃ دینے کا سلسلہ رُک جائے۔

ہمارا دعویٰ تو بالکل واضح ہے۔ یعنی زکاۃ ایک مال میں ایک ہی بار فرض ہے۔ ہمارے اس دعوے کے مطابق بھی زکاۃ دیتے رہنے کا سلسلہ برقرار رہتا ہے۔ یوں سمجھئے کہ آج ایک

بکری بطورِ زکاۃ دینے کے بعد ریوڑ میں خوب افزائش اور بڑھوتری ہونے لگی۔ پھر ان افزائشی بکریوں میں زکاۃ دینی ہے۔ پھر جب بڑھوتری ہوتی جائے گی، تو پھر ان زائد بکریوں کی زکاۃ دینی پڑی گا۔ پھر جوں جوں اُن کی تعداد میں اضافہ ہوتا جائے گا، اسی حساب سے زکاۃ ادا کرتے رہنا چاہیے۔ اس طرح سے کسی چیز میں ایک بار زکاۃ دینے کے بعد، پھر اس میں بڑھوتری کی وجہ سے زکاۃ بھی مسلسل دیتے رہنے کی حیثیت پیدا ہو جاتی ہے۔

نیز فریق مخالف کا یہ دعویٰ کہ مسلسل اور سلسلہ وار زکاۃ دیتے رہنا چاہیے، اس دعویٰ کے مطابق بھی دیکھا جائے، تو یہ لوگ صرف ہمارے دعویٰ کو رد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن خود ان کی وضاحت سے بھی ان کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ مسلسل، لگاتار، پے در پے اور سلسلہ وار زکاۃ دیتے رہنا چاہیے سے مراد ہر سال ہی نہیں لیا جاسکتا، ہر ماہ بھی مراد لیا جاسکتا ہے، ہر ہفتہ بلکہ ہر دن بھی مراد لیا جاسکتا ہے۔

اس لئے فریق مخالف کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ سمجھائے کہ اس نے اس حدیث میں سال بہ سال، یا ہر سال کا لفظ اپنی طرف سے کس بنیاد پر داخل کر دیا؟

6- جانوروں کی زکاۃ

مخالف رائے رکھنے والے کسی دلیل کے بغیر، ایک فیصلہ کر کے اسے ثابت کرنے کے لئے اس موضوع سے بے تعلق حدیثوں کو بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں۔ اس قبیل سے ان کی دوسری دلیل، چوپایوں کے متعلق حدیث کی اپنی مرضی سے تاویل کرنا اور اس کا مطلب بگاڑنا ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ ایک آدمی کے پاس بکریاں 40 سے لیکر 120 تک رہیں، تو اس کی زکاۃ ایک بکری ہے۔ اور 121 سے لیکر 200 تک کی بکریوں میں زکاۃ میں دو بکریاں دینا ہے۔ اور 201 سے لے کر 300 تک کی بکریوں میں زکاۃ کے طور پر تین بکریاں دینا چاہیے۔ اور 300 سے زائد بکریوں میں ہر ایک سو پر ایک بکری بطورِ زکاۃ وصول کی جائے گی۔

فریق مخالف اس مفہوم کی حدیثوں کو بھی اپنی رائے کی تائید میں پیش کرتے ہوئے ہم سے دو متضاد سوالات کرتے ہیں۔ پہلے یہ جان لیجئے کہ وہ لوگ اپنا دعویٰ کس طرح پیش کرتے ہیں؟

فریق مخالف کا ہم سے پہلا سوال یہ ہے کہ ایک آدمی کے پاس 40 بکریاں تھیں۔ اس نے بطور زکاۃ ایک بکری دے دی۔ چند دنوں کے بعد مزید 40 بکریاں خریدا۔ اگر آپ یہ کہیں گے کہ بعد والی 40 بکریوں کی زکاۃ میں ایک بکری دو، تو جملہ 80 بکریوں میں دو بکریاں بطور زکاۃ ہوگئیں۔ جبکہ یہ حساب 120 میں ایک بکری دینے کی حدیث کے خلاف واقع ہوا ہے۔

اور ان کا دوسرا سوال ہم سے یہ ہے کہ آپ اگر یوں کہیں کہ دوسری مرتبہ آئی ہوئی 40 بکریوں کی زکاۃ دینے کی ضرورت نہیں، صرف پہلی والی 40 بکریاں جن کی زکاۃ دے دی گئی، وہ تو پاک ہوگئیں۔ اور باقی ماندہ 40 بکریاں کیوں کر پاک ہوسکتی ہیں؟

درحقیقت یہ لوگ سمجھ نہیں پائے کہ ہم کیا کہتے ہیں؟! اسی لئے اس قسم کے سوالات کررہے ہیں۔ معلوم ہونا چاہیے کہ جب 40 بکریاں رہتے وقت کسی نے ایک بکری زکاۃ دے دی، تو وہ صرف 40 بکریوں کی زکاۃ نہیں بلکہ 40 سے لے کر 120 کی حد اور انتہاء تک کے ایک مرحلہ (Stage) کی زکاۃ ہے۔ اس لئے 120 بکریاں ہونے تک کچھ بھی دینے کی ضرورت نہیں۔

سب کو ملا کر ایک بکری بطور زکاۃ دیتے وقت 120 میں ایک بکری کی حد سے تجاوز نہیں ہوا۔ اور اسی وقت 120 کی حد و انتہاء تک کا ایک مرحلہ (Stage) کی زکاۃ ادا ہوجانے کی بناء پر دوسری مرتبہ آئی ہوئی 40 بکریاں بھی پاک ہوگئیں، یہی ہمارا جواب ہے۔

نیز اس حدیث میں یہ بھی بتایا گیا کہ 201 سے لے کر 300 تک کی بکریوں میں زکاۃ تین بکریاں دینا چاہیے۔ اور 300 کے بعد ہر ایک سو پر ایک بکری بطور زکاۃ دینا چاہیے۔ مخالف رائے رکھنے والے اس حکم کو بھی اپنی مرضی سے مروڑ کر، تاویل کرکے، اپنا دعویٰ ثابت کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

چنانچہ وہ اعتراض کرتے ہیں کہ کسی کے پاس 300 بکریاں تھیں۔ اس نے تین بکریاں بطور زکاۃ دے دیں۔ اس کے بعد اور 100 بکریاں خریدا۔ وہ اب کیا کرنا چاہیے؟ اور زکاۃ کے طور پر کتنی بکریاں دینا چاہیے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ 300 بکریوں کی زکاۃ پہلے دے دی گئی۔ اور مزید 100 بکریاں جو بعد میں خریدی گئیں، صرف اس کی زکاۃ کے طور پر

ایک بکری دینا چاہیے۔ اس طرح سے مذکورہ بالا حدیث کے مطابق برابر عمل ہو گیا۔

اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ہمارا اہم سوال یہ ہے کہ وہ لوگ اس حدیث سے اپنے دعویٰ کو یعنی زکاۃ ادا کیے ہوئے مال میں بار بار اور ہر سال باقاعدہ زکاۃ دینے کے دعویٰ کو کس طرح ثابت کر سکتے ہیں؟

ہم نے تو معاون دلائل کے ذریعہ یہ واضح کر دیا کہ زکاۃ مال کو پاک کرتی ہے۔ لیکن اس کی تردید میں کوشاں فریق مخالف یہ بات بڑی آسانی سے بھول جاتا ہے کہ زکاۃ ادا کیے ہوئے مال میں بار بار اور ہر سال باقاعدہ زکاۃ دینے کے لئے مذکورہ بالا حدیث میں کوئی دلیل اور ثبوت نہیں ہے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ زکاۃ ادا کیے ہوئے مال میں بھی، سال میں ایک مرتبہ باقاعدہ سلسلہ وار زکاۃ دیتے رہنا چاہیے۔ وہ اس دعویٰ کے لئے دلیل دے کر ثابت کرنے کی بجائے صرف ہماری باتوں کو رد کر رہے ہیں!

7- کیا صحابہ کی اتباع کر سکتے ہیں؟

یہ جو دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ایک بار زکاۃ ادا کیے ہوئے مال میں، ہر سال، لگاتار زکاۃ دیتے رہنا چاہیے، اس کو ثابت کرنے کے لئے مخالف رائے رکھنے والے ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے باوجود ایک بھی ثابت شدہ حدیثِ رسول پیش نہ کر سکے۔ جیسا کہ ہم نے ان کے دلائل کا مکمل جائزہ لیتے ہوئے واضح کر دیا۔

جب وہ اس کا رد کرنے سے عاجز آ گئے، اور اپنے موقف کے لئے ثابت شدہ احادیث سے ثبوت فراہم نہ کر سکے، تو اب یہ کہنے لگے کہ ایک بار زکاۃ ادا کیے ہوئے مال میں، ہر سال، باقاعدہ سلسلہ وار زکاۃ دینے کے لئے ثبوت اگر چہ سنتِ رسول میں نہیں ملتا، لیکن پھر بھی چند صحابہ کے اقوال اور اعمال میں اس کے لئے ثبوت ملتا ہے۔

مسئلہ واضح ہے کہ ان کی موقف کے لئے جب قرآن وحدیث (وحی الٰہی) میں ثبوت نہیں ملا، تو ان کو چاہیے تھا کہ وہ اپنا موقف بدل لیں، نہ کہ صحابہ کرام کی آڑ میں پناہ لیں۔ کیونکہ

مسلمان کو صرف وحی الٰہی کی پیروی کرنا چاہیے۔ نزول وحی کے بغیر اللہ کے رسول ﷺ اگر اپنی طرف سے کوئی ذاتی رائے پیش کریں یا اپنی مرضی سے کوئی کام کریں تو وہ ہمارے لئے دلیل نہیں بنتا۔ دین کا ایک حصہ سمجھ کر اس کے مطابق عمل کرنے کی ضرورت نہیں۔

اس کے لئے یہ مثال دی جا سکتی ہے کہ آپ ﷺ نے وحی کے ذریعہ حکم پائے بغیر شہد کو اپنے اوپر حرام ٹھہرایا۔ اسی طرح کھجور کے درختوں کے درمیان تابیر کرنے سے منع فرمایا۔ بعد میں وضاحت کردی کہ یہ فیصلے بذریعہ وحی نہیں تھے۔ بلکہ اپنے ذاتی فیصلے تھے۔

لیکن مخالف رائے رکھنے والے اس حقیقت کو سمجھے بغیر یہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام کے اقوال وآراء کو لینا چاہیے۔ اس طرح یہ لوگ دین کے اصل مرجع میں تبدیل کررہے ہیں۔ وحی کے ذریعہ نازل شدہ قرآن وحدیث کو چھوڑ کر ان اقوال وآراء کی طرف مائل ہوتے ہیں جن اقوال وآراء کے لئے وحی الٰہی کی تائید وتوثیق نہیں ہوئی۔

جب اللہ کے نبی ﷺ نے خود اپنے قول اور فعل میں وحی اور غیر وحی کا فرق ملحوظ رکھا اور اس کی وضاحت کردی۔ اس کے باوجود مخالف رائے کے لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کی پیروی کرنا چاہیے۔ جن پر وحی الٰہی کا نزول نہیں ہوتا۔ اس لئے ہمیں ان کے موقف اور دعویٰ پر بڑا تعجب ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ فرمان الٰہی کے مطابق اور موافق نہیں ہے۔

اب ملاحظہ فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں کیا فرماتا ہے؟

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(1)۔ لوگو! تمہارے پروردگار کی طرف سے جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے، اس کی پیروی کرو۔ اور اس کو چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو۔ تم کم ہی نصیحت قبول کرتے ہو (سورۃ الاعراف 7: آیت نمبر 3)۔

(2)۔ میری طرف سے جو کوئی ہدایت تمہارے پاس آئے، تو جو لوگ میری ہدایت کی پیروی کریں گے، ان کے لئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے (سورۃ البقرہ 2: آیت نمبر 38)۔

(3)۔ تمہارے رب کی طرف سے تم پر جو وحی نازل ہوئی ہے، اس کی پیروی کرو (سورۃ الانعام 6: آیت نمبر 106)۔

(4)۔ایمان والوں کو جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تا کہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کریں، تو کہتے ہیں ہم نے سنا اور مان لیا (اطاعت کی)۔یہی لوگ ہیں کامیاب ہونے والے (سورۃ النور 24: آیت 51)۔

(5)۔آپ کہئے کہ اللہ کا کہا مانو اور رسول کی بات مانو۔لیکن اگر تم لوگ روگردانی کروگے تو رسول پر تبلیغ کرنا لازم ہے جس کی ذمہ داری ان کے سر ڈالی گئی ہے۔اور تم پر اسے قبول کرنا لازم ہے جس کی ذمہ داری تمہارے سر ہے۔اور اگر تم لوگ ان کی اطاعت کروگے تو ہدایت پاؤگے اور راہ راست پر آجاؤگے۔اور رسول پر اس کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں کہ پیغام کو واضح طور پر پہنچا دیتا ہے (سورۃ النور 24: آیت 54)۔

(6)۔آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع و پیروی کرو۔اللہ تم سے محبت کرے گا، اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔اللہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے (ال عمران 3:31)۔

(7)۔اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔آپس میں اختلاف نہ کرو، ورنہ تم میں بزدلی آجائے گی، اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔اور صبر سے کام لو۔اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (الانفال 8:46)۔

(8)۔یہی میری سیدھی راہ ہے۔لہذا تم لوگ اسی کی پیروی کرو۔اور دوسرے طریقوں پر نہ چلو جو تمہیں اس کی (سیدھی) راہ سے الگ کردیں، اللہ نے تمہیں ان باتوں کا حکم دیا ہے، تا کہ تم تقوی کی راہ اختیار کرو (الانعام 6:153)۔

(9)۔اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور تم میں سے اقتدار والوں (امراء و حکام) کی بھی (بات مانو)۔پھر اگر کسی معاملہ میں تمہارے درمیان اختلاف ہو جائے، تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔یہی طریقہ بہتر اور انجام کے اعتبار سے اچھا ہے (النساء 4:59)۔

(10)۔جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے میں فیصلہ کردے، تو کسی مسلمان مرد اور عورت کے لئے اس بارے میں کوئی اور فیصلہ کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا۔اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا، وہ کھلی گمراہی میں پڑ جائے گا (الاحزاب 33:36)۔

(11)۔صرف مجھ سے ڈرو۔آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا۔اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی۔اور تمہارے لئے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کرلیا(المائدہ 3:5)۔

یہ ساری قرآنی آیتیں ہم کو جھنجھوڑتی، احساس دلاتی اور ذہن نشین کراتی ہیں کہ اتباع و پیروی صرف وحیِ الٰہی کی کیجائے۔یعنی صرف قرآن اور رسول ﷺ کے طریقہ ہی کی پیروی کی جائے۔

جب ہم اس حقیقت کو سمجھاتے ہیں، تو بعض علماء عوام کو ہماری جماعت (تمل ناڈو توحید جماعت) کے خلاف اکساتے اور ورغلاتے ہیں کہ یہ جماعت صحابہ کرام کا احترام نہیں کرتی، انہیں برا بھلا کہتی ہے۔اور گالیاں دیتی ہے۔

صحابہ کرام بے شک بڑی فضیلت کے حامل وحقدار ہیں۔وہ ایمان میں ہم سے زیادہ راسخ ومضبوط ہیں۔اس کے بارے میں ہماری دورائیں نہیں ہیں۔ان کے فضائل ومناقب میں بہت سی قرآنی آیات اور صحیح روایات منقول ہیں۔

حضرت ابوسعید خدریؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرے صحابہ کو بُرا بھلا مت کہو۔کیونکہ اگر تم میں سے کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا (اللہ کی راہ میں) خرچ کرڈالے، پھر بھی وہ صدقہ اُن کے ایک مُد بلکہ آدھے مُد غلہ کے برابر بھی نہیں ہوسکتا (حوالہ: بخاری۔حدیث نمبر 3673)۔

حضرت عمران بن حصینؓ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: لوگوں میں سب سے بہتر میرے زمانے کے لوگ (یعنی صحابہ) ہیں۔پھر وہ لوگ (یعنی تابعین) جوان کے بعد آئیں گے۔پھر وہ لوگ جوان کے بھی بعد آئیں گے (بخاری حدیث نمبر۔2651)۔

اور خود اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے کلام پاک میں ان کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

(1)۔مہاجرین اور انصار میں سے جن لوگوں نے سب سے پہلے سبقت کی۔نیز وہ جنہوں نے حسن وخوبی کے ساتھ ان کی اتباع کی۔اللہ ان سے راضی ہوا۔اور وہ اس سے راضی ہوئے۔ان کے لئے اس نے ایسے باغ تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی رہتی ہیں۔وہ ہمیشہ وہاں رہیں گے۔اور یہی بڑی کامیابی ہے (التوبہ 100:9)۔

(2)۔اللہ نے معاف کیا نبی کو، اور مہاجرین وانصار کو جنہوں نے تنگی کے وقت میں نبی

کا ساتھ دیا۔ جبکہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں کجی آرہی تھی۔ پھر اللہ نے انہیں معاف کردیا۔ وہ ان کے حق میں بہت ہی شفقت کرنے والا اور نہایت مہربان ہے (التوبہ 9: 117)

(3)۔ تم میں سے جن لوگوں نے (مکہ کی) فتح سے پہلے (نیک راہوں میں) خرچ کیا اور لڑے، وہ (دوسرے کے) برابر نہیں ہیں۔ بلکہ ان سے بہت بڑے درجے کے ہیں جنہوں نے فتح کے بعد خیراتیں دیں۔ اور لڑے (الحدید 57:10)۔

اس قسم کی فضیلتوں کا کبھی ہم نے انکار نہیں کیا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم نے فضائل صحابہ پر نکتہ چینی کرنے والے شیعوں کی اور ہماری ریاست تمل ناڈو میں ان کی طرف داری کرنے والی تنظیموں کی نشاندہی کی ہے۔ ان کے چہروں سے پردہ اتار کر نقاب کشائی کئے بغیر ہم نے نہیں چھوڑا۔

لیکن اسی وقت یہ بات بھی یاد رہے کہ اتنی ساری فضیلتوں کی وجہ سے صحابہ کرام کی رائے، ان کے قول، اور ان کے فعل وعمل کو دین کی حیثیت نہیں دی جاسکتی۔ ان کی کسی بھی کاروائی کو دین وشریعت مان کر قبول نہیں کریں گے۔ کیونکہ قرآن اور حدیث ہی دین میں اصل ثبوت ہیں۔ صحابہ کرام اگرچہ بہترین امتی ہیں، پھر بھی وہ انسانی کمزوریوں اور بشری عوارض سے مبرا، پاک اور بالاتر نہیں ہیں۔ معصوم عن الخطأ نہیں کہہ سکتے۔ ان سے بھی غلطیاں اور لغزشیں سرزد ہوسکتی ہیں۔

صحابہ کرام سے غلطیاں اور لغزشیں

اس بات کو ہم نے یوں ہی تصور کرکے بے بنیاد نہیں کہا۔ یہ صرف ہماری خام خیالی اور ذہنی پیداوار نہیں۔ بلکہ

☆ چند صحابہ کے آراء وافعال قرآن وحدیث کے خلاف واقع ہوئی ہیں۔

☆ بہت سی ثابت شدہ حدیثیں ان کو معلوم نہ تھیں۔

☆ بغیر ثبوت کے انہوں نے چند چیزوں کو اپنی طرف سے ایجاد کردیا۔

ان دعووں کے لئے بے شمار دلائل موجود ہیں۔ اسی لئے ہم بہانگ دہل یہ اعلان کرتے ہیں کہ قرآن اور رسول کے طریقہ کے سوا کسی کو بھی بطور دلیل نہیں ماننا چاہیے۔ جہاں تک صحابہ

کی بات ہے وہ درحقیقت ایک یا دو مسئلوں میں نہیں، بلکہ بے شمار مسائل میں صریح طور پر قرآن وحدیث کے خلاف اپنی رائے پیش کر چکے ہیں۔اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے:

ا۔ حج تمتع

اللہ کے رسول ﷺ نے حج تمتع کرنے کی اجازت دی ہے۔لیکن حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے اس سے روکا ہے۔

مروان بن حکم نے بیان کیا کہ میں نے عثمانؓ اور علیؓ کے ساتھ حج کیا ہے۔(حج کے دنوں میں) عثمانؓ عمرہ اور حج کو ایک ساتھ ادا کرنے [حج قران] سے، اور عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد پھر حج کرنے [حج تمتع] سے روکتے تھے۔لیکن حضرت علیؓ نے اس کے باوجود دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھا۔اور کہا: لبیک بعمرۃ وحجۃ کہنے کے بعد یہ بھی کہا: میں کسی ایک شخص کی بات پر رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو نہیں چھوڑ سکتا (بخاری۔حدیث نمبر 1563)۔

حضرت سالم بن عبداللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شامی کو دیکھا جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے حج کے مہینہ میں عمرہ کرنے کے بعد احرام کھول کر آزاد ہونے اور بعد میں حج کے لئے احرام باندھنے [حج تمتع] کے متعلق سوال کر رہا تھا۔تو عبداللہ بن عمرؓ نے کہا: وہ جائز ہے (کر سکتے ہیں)۔پھر شامی نے کہا: تمہارے باپ تو اس سے منع کر رہے تھے! (یہ بات سن کر) عبداللہ بن عمرؓ نے کہا: دیکھئے تو سہی! اگر میرے باپ منع کریں اور رسول اللہ ﷺ وہی کام کریں، تو میرے باپ کی تابعداری کی جائے گی؟ یا رسول اللہ ﷺ کے کام کی؟ شامی نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے کام کی ہی تابعداری کی جائے گی۔تو حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا: البتہ رسول اللہ ﷺ ویسا کیا ہے (حوالہ: ترمذی۔حدیث نمبر 753)۔

حج ادا کرنے کا ایک طریقہ حج تمتع بھی ہے۔جس پر عمل کرتے ہوئے آج کے دور میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔اس طریقہ کو اس نظریہ کے لوگ بھی مانتے ہیں جو صحابہ کی پیروی کی باتیں کرتے ہیں۔لیکن عمرو عثمانؓ جیسے اونچے درجے اور بلند پائے کے صحابہ کو یہ مسئلہ معلوم نہیں تھا۔یہ کیوں؟

۲۔ غسل کرنا کب فرض ہے؟

حضرت ابی بن کعبؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! جب مرد عورت سے جماع کرے اور انزال نہ ہو تو کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: عورت سے جو کچھ اسے لگ گیا اسے دھولے پھر وضو کرے اور نماز پڑھے (بخاری۔ حدیث نمبر: 293)۔

مجامعت کے بعد منی نہ نکلے انزال نہ ہو، تو غسل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ کے نبی ﷺ نے ابتدائی دور میں ایسا حکم دیا تھا۔ جسے بعد میں آپ ﷺ نے خود بدل دیا۔ جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جب مرد کا عضو، عورت کے عضو سے بڑھ جائے تو غسل واجب ہوتا ہے (حوالہ: مسلم۔ 526، ترمذی 102)۔

اس طرح سابق حکم منسوخ ہو گیا۔ اب اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بات اجماع صحابہ کے نظریہ کے حاملین بشمول تمام لوگ اچھی طرح جانتے ہیں۔ لیکن حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ اگر انزال نہ ہو تو غسل ضروری نہیں۔

زید بن خالدؓ نے خبر دی کہ انہوں نے عثمان بن عفانؓ سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص صحبت کرے اور منی نہ نکلے۔ اس کا حکم کیا ہے؟ تو عثمانؓ نے کہا: وہ اپنے عضو کو دھولے، اور وضو کرے جس طرح نماز کے لئے وضو کرتا ہے۔ اس کو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے (بخاری۔ حدیث نمبر 292,179)۔ تبدیل شدہ حکم حضرت عثمانؓ کو معلوم کیوں نہیں ہوا؟

۳۔ غسل کے لئے تیمم

شقیق بن سلمہ نے کہا کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کی خدمت میں تھا۔ ابو موسیٰ نے پوچھا کہ اے ابو عبدالرحمٰن! آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر کسی کو غسل کی حاجت ہو اور پانی نہ ملے، تو وہ کیا کرے؟ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ اُسے نماز نہیں پڑھنا چاہیے جب تک اُسے پانی نہ مل جائے۔

ابوموسیٰ نے کہا کہ پھر عمار کی اس روایت کا کیا ہوگا جبکہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تمہیں صرف (ہاتھ اور منہ کا) تیمم کافی تھا۔ تو ابن مسعودؓ نے کہا کہ تم عمر کو نہیں دیکھتے کہ وہ عمار کی اس بات پر مطمئن نہیں ہوئے تھے۔

پھر ابوموسیٰ نے کہا کہ اچھا عمار کی بات چھوڑو۔ لیکن اس آیت کا کیا جواب دوگے [جس میں اگر پانی نہ ملے تو تیمم کرنے کی واضح طور پر اجازت موجود ہے]۔ عبداللہ بن مسعود اس کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ صرف یہ کہا اگر ہم اس کی بھی لوگوں کو اجازت دے دیں، تو ان کا حال یہ ہو جائے گا کہ اگر کسی کو پانی ٹھنڈا معلوم ہوا تو اسے چھوڑ دے گا اور تیمم کر لیا کرے گا۔ اعمش کہتے ہیں کہ میں نے شقیق سے کہا کہ گویا عبداللہ نے اس وجہ سے یہ صورت ناپسند کی تھی۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں [حوالہ: بخاری حدیث نمبر 347,346]۔

جس پر غسل کرنا ضروری ہو، اور پانی نہ ملے، تو وہ تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔ یہ مسئلہ ابن مسعود جاننے کے باوجود کہتے ہیں کہ تیمم کر کے نماز نہیں پڑھ سکتا۔ قرآن پاک کی آیت صاف بتاتی ہے کہ اگر پانی نہ ملے تو تیمم کر لو۔ اور اس آیت کی طرف ان کو توجہ بھی دلائی جاتی ہے۔ پھر بھی وہ اپنی ذاتی رائے کی بنیاد پر اجازت دینے سے انکار کرتے ہیں۔ تو یہ طرز عمل کس چیز کی طرف نشاندہی کرتا ہے؟ اور اس سے کیا پتہ چلتا ہے؟

۳۔ طاعون [پلیگ] کی وبا

حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ [خلیفہ] حضرت عمر بن خطابؓ شام تشریف لے جا رہے تھے۔ جب آپ مقام "سرغ" پر پہنچے، تو انہیں فوجوں کے امراء حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ اور ان کے ساتھی ملے۔ ان لوگوں نے عمرؓ کو بتایا کہ طاعون کی وبا ملک شام میں پھوٹ پڑی ہے۔

ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ میرے پاس مہاجرین اولین کو بلا لاؤ۔ آپ انہیں بلا لائے۔ تو عمرؓ نے ان سے مشورہ کیا۔ اور انہیں بتایا کہ شام میں طاعون کی وبا

پھوٹ پڑی ہے۔ تو مہاجرین اولین کی رائیں مختلف ہو گئیں۔ کیونکہ بعض حضرات نے کہا کہ ہم ایک اہم کام کے لئے نکلے ہیں۔ اور اسے انجام دیئے بغیر لوٹنا مناسب نہیں۔ جبکہ دوسرے حضرات کی رائے یہ تھی کہ آپ کے ساتھ منتخب لوگ اور اصحاب رسول ہیں۔ اور یہ مناسب نہیں ہے کہ آپ انہیں اس وباء میں ڈال دیں۔ عمرؓ نے کہا کہ اچھا اب آپ لوگ تشریف لے جائیں۔ پھر کہا کہ انصار کو بلاؤ۔ میں انصار کو بلا کر لایا۔ آپ نے ان سے بھی مشورہ کیا۔ اور انھوں نے بھی مہاجرین کی طرح اختلاف کیا۔ کوئی کہنے لگا چلو، آگے بڑھو اور کوئی کہنے لگا لوٹ جاؤ۔ عمرؓ نے کہا اب آپ لوگ بھی تشریف لے جائیں۔

پھر کہا یہاں پر جو قریش کے بڑے بوڑھے ہیں جو فتح مکہ کے وقت اسلام قبول کر کے مدینہ آئے تھے، انہیں بلا لاؤ۔ میں انہیں بلا کر لایا۔ ان لوگوں میں کوئی اختلاف رائے پیدا نہیں ہوا۔ سب نے کہا کہ ہمارا خیال ہے کہ آپ لوگوں کو ساتھ لے کر واپس لوٹ چلیں۔ اور وبائی ملک میں لوگوں کو لے جا کر نہ ڈالیں۔ یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ نے لوگوں میں یہ اعلان کر دیا کہ میں صبح کو اونٹ پر سوار ہو کر واپس مدینہ لوٹ جاؤں گا۔ تم لوگ بھی واپس چلو۔ صبح کو ایسا ہی ہوا۔

حضرت ابو عبیدہ [کو یہ بات پسند نہیں آئی تو انہوں] نے اعتراض کیا کہ اللہ کی تقدیر سے فرار اختیار کر رہے ہو؟ حضرت عمرؓ نے کہا کہ کاش یہ بات کسی اور نے کہی ہوتی [تو شاید مناسب بھی تھی خیر! تمہارے سوال کا جواب یہ ہے کہ] ہاں! ہم اللہ کی تقدیر سے فرار اختیار کر رہے ہیں، لیکن اللہ ہی کی تقدیر کی طرف۔ غور کرو کہ تمہارے پاس اگر اونٹ ہوں۔ اور تم انہیں لے کر کسی ایسی وادی میں جاؤ جس کے دو کنارے ہوں، ایک سرسبز و شاداب اور دوسرا خشک۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ اگر تم سرسبز کنارے پر چراؤ گے، تو وہ بھی اللہ کی تقدیر سے ہی ہو گا۔ اور خشک کنارے پر چراؤ گے، تو وہ بھی اللہ کی تقدیر سے ہی ہو گا۔

راوی ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ پھر حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ آ گئے۔ وہ اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے اس وقت موجود نہیں تھے۔ انہوں نے بتایا کہ میرے پاس اس مسئلہ سے متعلق ایک علم (حدیث رسول) ہے۔ (وہ یہ ہے کہ) میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کسی سرزمین میں اس وبا کے متعلق سنو، تو وہاں نہ جاؤ۔ اور

جب ایسی جگہ وبا آجائے جہاں تم خود موجود ہو، تو وہاں سے مت نکلو۔ راوی نے بیان کیا کہ اس (دلیل وثبوت) پر حضرت عمرؓ نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور پھر واپس ہو گئے۔ (بخاری۔5279)۔

طاعون کی وبا کے متعلق اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہم اور آپ سب ہی کو معلوم ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ صحابہ کے طرز عمل، ان کے اقوال و آراء اور ان کی فہم کو دلیل مانتے ہیں، وہ بھی اس کا اقرار کرتے ہیں۔ لیکن یہ واقعہ بتاتا ہے کہ عمرؓ کو، مہاجرین وانصار میں بہت سے لوگوں کو ایک عرصہ تک اس حدیث کا علم نہیں تھا۔

۵۔ اجازت طلب کرنے کا مسئلہ

عبید بن اسامہ نے خبر دی کہ حضرت ابو موسیٰ (عبداللہ بن قیس) نے حضرت عمر بن خطابؓ سے ملنے کی اجازت چاہی۔ لیکن اجازت نہیں ملی۔ غالباً آپ اس وقت کام میں مشغول تھے۔ اس لئے ابو موسیٰؓ واپس لوٹ گئے۔ پھر عمرؓ اپنے کام سے فارغ ہوئے۔ تو کہا میں نے عبداللہ بن قیس (ابو موسیٰ) کی آواز سنی تھی! انہیں اندر آنے کی اجازت دو۔

کہا گیا کہ وہ تو لوٹ کر چلے گئے۔ تو عمرؓ نے انہیں بلایا (اور پوچھا کہ کیوں واپس ہو گئے؟) ابو موسیٰؓ نے کہا کہ ہمیں اسی کا حکم (اللہ کے رسول ﷺ نے دیا) تھا۔ (کہ تین مرتبہ اجازت طلب کرنے پر اگر اندر جانے کی اجازت نہ ملے، تو واپس لوٹ جانا چاہیے)۔

اس پر عمرؓ نے کہا: اس حدیث پر کوئی گواہ لاؤ۔ ابو موسیٰؓ انصار کی مجلس میں گئے۔ اور ان سے اس حدیث کے متعلق پوچھا (کہ کیا کسی نے اسے نبی ﷺ سے سنا ہے)۔ ان لوگوں نے کہا کہ اس کی گواہی تو تمہارے ساتھ وہ دے گا جو ہم سب میں بہت ہی کم عمر ہے۔ یعنی ابو سعید خدریؓ۔

وہ [ابو موسیٰ] ابو سعید خدری کو اپنے ساتھ لے گئے۔ [ان کی گواہی سنتے ہی] حضرت عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم مجھ سے پوشیدہ رہ گیا۔ افسوس کہ مجھے بازاروں کی خرید و فروخت نے مشغول رکھا۔ آپ کی مراد تجارت سے تھی۔ حوالہ: بخاری 6245,2062.

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ تجارت میں پوری توجہ مبذول کرا دینے سے رسول اللہ ﷺ کا فرمان مجھے معلوم نہ ہوا۔ اس سے پتہ چلا کہ قدر و منزلت میں اونچے درجے والے اہم صحابہ کرام بھی رسول

اللہ ﷺ کی تمام ہدایات جانے بغیر رہ گئے تھے۔ اور یہاں پر اس کی وجہ بھی بتائی جارہی ہے۔

۶۔ محمد ﷺ کی وفات

عبداللہ بن عباسؓ نے خبر دی کہ [جب نبی ﷺ کی وفات ہوئی ،تو] ابو بکر [نبی ﷺ کی نعش کو دیکھنے کے بعد حضرت عائشہؓ کے حجرہ سے] باہر تشریف لائے ۔اس وقت حضرت عمرؓ لوگوں سے کچھ باتیں کر رہے تھے۔ تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کہا: بیٹھ جاؤ۔ لیکن عمرؓ نہیں مانے ۔ پھر دوبارہ انہوں نے بیٹھنے کے لئے کہا۔ لیکن وہ نہیں مانے ۔ آخر ابو بکرؓ نے کلمہ شہادت پڑھا۔ تو تمام مجمع ان کی طرف متوجہ ہو گیا ۔اور عمرؓ کو چھوڑ دیا۔

ابو بکرؓ نے کہا: اما بعد! اگر کوئی شخص تم میں سے محمد کی عبادت کرتا تھا تو اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ محمد کی وفات ہو چکی ۔ اور اگر کوئی اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اللہ باقی رہنے والا ہے۔ کبھی وہ مرنے والا نہیں۔ اللہ پاک نے فرمایا: محمد صرف اللہ کے رسول ہیں ۔ اور بہت سے رسول ان سے پہلے بھی گذر چکے ہیں۔ اگر ان کا انتقال ہو جائے یا وہ شہید ہو جائے تو کیا تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے ،تو ہر گز اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑے گا۔ جلد ہی اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو نیک بدلہ دے گا (ال عمران 3: آیت 144)۔

راوی عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ اللہ کی قسم! ایسا معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکرؓ کی آیت کی تلاوت سے پہلے جیسے لوگوں کو معلوم ہی نہ تھا کہ یہ آیت بھی اللہ پاک نے قرآن میں اتاری ہے۔ اب تمام صحابہ نے یہ آیت ان سے سیکھ لی۔ پھر تو ہر شخص کی زبان پر یہی آیت تھی۔

(بخاری حدیث نمبر 3670,1242)۔

نبی ﷺ کی وفات کو بھی مانے بغیر اکثر صحابہ بشمول حضرت عمرؓ کے انکار کر رہے تھے۔ حالانکہ قرآن میں اس کے متعلق رہنمائی ہے۔ لیکن اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر صحابہ اس کو نہیں جانتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت ابو بکرؓ وہ آیت تلاوت کر کے رہنمائی کرنے کے بعد ہی حقیقت سمجھتے ہیں۔ اس طرح سے بے شمار مسائل ایسے ہیں جن کی طرف رہنمائی اور نشاندہی نہیں کی گئی۔

۷۔ اکٹھی تین طلاق

حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ طلاق کا طریقہ رسول ﷺ کے زمانے میں اور حضرت ابو بکر کی خلافت میں، اور حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں بھی دو برس تک ایسا تھا کہ جب کوئی

ایک بارگی تین طلاق دیتا تھا۔تو وہ ایک ہی شمار کی جاتی تھی۔

پھر عمرؓ نے کہا کہ لوگوں نے اس معاملہ میں جلدی کرنا شروع کر دیا۔ جس میں ان کو مہلت ملی تھی۔اس لئے ہم اس کو اگر قانون بنا دیں تو مناسب رہے گا۔(لوگ جلد بازی میں اکٹھی تین طلاق نہیں دیں گے)۔پھر انہوں نے ویسا ہی قانون نافذ کر دیا(یعنی حکم دے دیا کہ جو ایک بارگی تین طلاق دے،تو وہ تینوں واقع ہو گئیں)۔(مسلم۔حدیث کا نمبر 2689)

اکٹھی تین طلاقیں نبی ﷺ کے دور میں ایک طلاق ہی شمار کی جاتی تھیں۔اس کی طرف رہنمائی کئے جانے کے باوجود حضرت عمرؓ نے اس کے خلاف ایک مجلس کی تین طلاقوں کو جان بوجھ کر تین طلاقیں واقع ہونے کا غلط فیصلہ کر کے باقاعدہ حکم جاری کر دیا۔

۸۔ اور بھی چند۔۔۔۔

☆ نماز میں جب رکوع کرے،تو دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو جوڑ کر رانوں کے بیچ میں رکھ لینے [کو تطبیق کہتے ہیں۔ایسا کرنے] کا حکم شروع میں دیا گیا تھا۔اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا۔اور ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنے کا حکم ہوا۔جسے تمام صحابہ جانتے تھے۔لیکن روزمرہ کے فرائض کے متعلق یہ حکم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نہیں جانتے تھے۔اس لئے وہ منسوخ طریقہ تطبیق پر خود بھی عمل کرتے تھے، اور دوسروں کو بھی اسی کے مطابق عمل کرواتے رہے(دیکھئے مسلم: حدیث 831).

☆ حضرت میمونہؓ نے خود انکار کر دیا تھا کہ ان کا نکاح اللہ کے رسول ﷺ سے احرام کی حالت میں نہیں ہوا۔لیکن میمونہؓ کے بھانجے اور ہمشیر زادے حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حالت احرام میں میمونہؓ سے نکاح کیا(بخاری:1837)۔

☆ اللہ کے رسول ﷺ نے چاشت کی نماز پڑھی ہے۔اس کے متعلق ثابت شدہ روایتیں بہت ہیں۔لیکن حضرت عائشہؓ نے اس نماز کا انکار کرتے ہوئے کہا کہ میں نے آپ ﷺ کو چاشت کی نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔(حوالہ بخاری: حدیث کا نمبر 1177,1128)۔

☆ صحیح البخاری میں حدیث نمبر 1175 میں درج ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی چاشت کی نماز نہیں پڑھتے تھے۔

☆ قرآن پاک میں کل سورتیں 114 ہیں۔جن کے بارے میں دنیا کے کسی مسلمان

کو اختلاف اور دورائیں نہیں ہیں۔ لیکن حضرت ابن مسعودؓ نے سورت نمبر 114,113 کو قرآن میں شمار کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کا ذکر مسند احمد میں روایت نمبر 20,244 اور 20,246 وغیرہ میں موجود ہے۔

☆ اور آپ کو یاد ہوگا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کو سختی سے منع کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کر کے کافر نہ ہو جاؤ۔ اس کے باوجود صحابہ ہی نے حضرت عثمانؓ کا قتل، جنگ جمل، اور جنگ صفین میں آپس میں ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار اٹھایا تھا۔

اس طرح بے شمار روایات حدیث کی کتابوں میں بھری پڑی ہیں۔ یہ روایتیں کیا بتا رہی ہیں؟ ان سے آپ کس نتیجہ پر پہنچے ہیں؟ یہ تمام روایتیں ہمیں بار بار متنبہ کرتی ہیں کہ صحابہ کرام اگر چہ بہترین امتی ہیں، پھر بھی وہ لوگ انسانی حیثیت سے بالا تو نہیں۔ معصوم عن الخطا یعنی غلطیوں سے پاک تو نہیں۔ ان سے بھی غلطیاں سرزد ہو سکتی ہیں۔ اس لئے اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی وفات سے پہلے ہی ہمیں آگاہی دی اور چوکنا کر دیا کہ صحابہ میں سے بعض دین اسلام کو بدل ڈالیں گے۔

ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک دن خطبہ سنایا اور فرمایا: تم قیامت کے دن اللہ کے سامنے ننگے پاؤں، ننگے بدن، بے ختنہ اٹھائے جاؤ گے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے) کہ جیسے کہ ہم نے اول دفعہ پیدائش کی تھی، اسی طرح دوبارہ کریں گے۔ یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے۔ اور ہم اسے ضرور کر کے رہیں گے۔

پھر سب سے پہلے قیامت کے دن ابراہیمؑ کو کپڑے پہنائے جائیں گے۔ سن لو! میری امت کے کچھ لوگ لائے جائیں گے۔ فرشتے ان کو پکڑ کر بائیں جانب (دوزخ کی طرف) لے جائیں گے۔ میں عرض کروں گا: پروردگار! یہ لوگ تو میرے ساتھی ہیں۔ تو مجھے کہا جائے گا: آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئی باتیں پیدا کی تھیں!؟

اس وقت میں وہی کہوں گا جو اللہ کے نیک بندے حضرت عیسٰیؑ نے کہا کہ جب تک میں ان لوگوں میں رہا ان کا حال دیکھتا رہا۔ اور ان کے اعمال پر شاہد و گواہ رہا۔ اور جب تو نے مجھے بلا لیا تو اس کے بعد تو ہی ان کے اعمال سے باخبر رہا۔ اور تو ہر چیز کا نگہبان ہے۔ تو (اس کا جواب دیتے ہوئے) ارشاد ہوگا: یہ لوگ آپ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد اپنی ایڑیوں کے بل اسلام سے پھر گئے۔ اور پیچھے ہوتے رہے (دیکھئے بخاری 6524,4740)۔

صرف قرآن اور حدیث کی پیروی کرنا چاہیے۔اور صحابہ وغیرہ کی پیروی نہیں کرنا چاہیے۔یہ بات سمجھنے کے لئے اوپر کی حدیث ہی کافی ہے۔اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ہم اب چند دنوں سے نہیں بلکہ گذشتہ بیس سالوں سے زائد عرصہ سے یہی کہتے آرہے ہیں کہ قرآن وحدیث کے سوا کسی اور کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔ہمارا رویہ اور طرزعمل صرف یہ ثابت کرنے کے لئے نہیں کہ زکاۃ ادا کئے ہوئے مال میں پھر زکاۃ دینے کی ضرورت نہیں۔

لیکن فریق مخالف جو پہلے صرف قرآن وحدیث کی پیروی کی طرف دعوت دے رہا تھا۔اور قرآن وحدیث کے سوا کسی اور کی پیروی سے منع کر رہا تھا۔جب زکاۃ کا معاملہ آیا تو زکاۃ ادا کئے ہوئے مال میں ہر سال زکاۃ دینے کے لئے قرآن وحدیث میں جب اس فریق کو دلیل اور ثبوت نہیں ملا تو فوری طور پر یہ اعلان کر دیا کہ صحابہ کی پیروی کرنا چاہیے!

اس موقع پر اللہ کے رسول ﷺ کی وہ نصیحت آموز حدیث کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ جس کو نظر انداز کرنے کے بعد آدمی بآسانی گمراہ ہو جاتا ہے۔اور سیدھی راہ سے بھٹک جاتا ہے۔اس لئے بہت اہمیت والی اس حدیث کو بیان کر کے ہم اس موضوع کو ختم کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حجۃ الوداع [اپنے آخری حج] میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: لوگو! میں تمہارے درمیان دو چیزیں کو چھوڑ کر جا رہا ہوں۔جب تک ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہو گے (ہدایت پر رہو گے) کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔وہ دو چیزیں یہ ہیں (1) اللہ کی کتاب (قرآن پاک) اور (2) اس کے رسول کی سنت۔[دیکھئے: مستدرک حاکم، حدیث 318]